هٰذا بلاغ للناس

جلد ۲۱

ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ / جولائی ۱۹۸۷ء

شمارہ ۱۱

قیمت فی پرچہ پانچ روپے

سالانہ پچاس روپے

نگراں :

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی

مدیر :

محمد تقی عثمانی

ناظم :

شجاعت علی ہاشمی

الانہ بدل اشتراک :

ن ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک و رجسٹری :

تہائے متحدہ امریکہ ۲۳۰/ روپے برطانیہ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ،
کانگ، نائجیریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ۱۸۰/ روپے سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت ۱۵۰/ روپے

خط و کتابت کا پتہ : ماہنامہ "البلاغ" دارالعلوم کراچی ۱۴
فون نمبر : ۳۱۱۲۱۷

ر: محمد تقی عثمانی دارالعلوم کراچی
ر: مشہور آفسٹ پریس، کراچی

ذکر و فکر

معارف و مسائل

مقالات و مضامین

نقد و تبصرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ذکر و فکر:

حافظ جی حضور

حضرت مولانا حافظ محمد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حمد و ستائش اس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنھوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

بنگلہ دیش میں اس وقت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں صرف ایک ہی شخصیت باقی رہ گئی تھی اور وہ تھی حضرت مولانا حافظ محمد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت جنہیں عموماً "حافظ جی حضور" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

رمضان المبارک کے پہلے عشرے میں احقر مدینہ طیبہ میں تھا کہ مولوی میزان الرحمٰن صاحب نے (جو دار العلوم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدینہ منورہ کے ایک معہد میں زیر تعلیم ہیں) یہ اندوہناک خبر سنائی کہ آج بنگلہ دیش میں خانقاہ تھانہ بھون کی یہ آخری یادگار بھی رخصت ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

داغِ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

البلاغ کے سابق شمارے میں مفتی اظہار الاسلام صاحب مدظلہم کے قلم سے ان کے حالاتِ زندگی اور واقعۂ وفات کی تفصیلات شائع ہو چکی ہیں۔ لہٰذا ان سطور میں صرف اپنے چند مختصر تاثرات پیش کرنا چاہتا ہوں حضرت حافظ جی قدس سرہٗ اللہ کے ان بندوں میں سے تھے جنہیں دیکھکر ہی خدا یاد آتا ہے ایک ایسا سادہ و بے تکلف سراپا کہ اسمیں ریاء و تصنّع کا دور دور کوئی شائبہ نہ تھا، دیکھکر ایک اجنبی کو یہ اندازہ کرنا بھی مشکل ہوتا کہ یہ کوئی بڑے عالم یا بڑے صوفی بزرگ ہوں گے بس سادگی اور تواضع کا ایک چلتا پھرتا پیکر تھے۔

۱۹۶۱ء میں جب میں پہلی بار حضرت والد صاحب قدس سرہ کے ساتھ ڈھاکہ گیا تو۔ اس وقت ڈھاکہ

بڑی بڑی علمی، سیاسی اور روحانی شخصیتوں سے مالا مال تھا۔ ہمارا قیام تو اس وقت بڑا کٹرہ کے مدرسہ اشرف العلوم میں ہوا جو اس وقت حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب قدس سرہ (پیر جی حضور) کے زیر سرپرستی چل رہا تھا لیکن علمائے کرام کی مشاورت وغیرہ کے اجتماعات حضرت مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری قدس سرہٗ کے مدرسہ (لال باغ) میں ہوا کرتے تھے۔ لال باغ کا مدرسہ اجتماعی دینی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور حضرت مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت لوگوں کی توجہ کا مرکز تھی اس وقت حافظ جی حضور بھی اسی مدرسے میں تشریف فرما تھے لیکن وہ ہمہ تن ذکر و شغل اور اصلاح و ارشاد میں مشغول تھے اور سیاسی اور اجتماعی امور سے عموماً الگ تھلگ رہتے تھے۔ اس لئے علماء کی ان مجالس میں جو حضرت مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری قدس سرہٗ کے زیر اثر مدرسے میں منعقد ہوا کرتی تھیں، بہت کم شریک ہوتے تھے۔

لیکن بنگال کے سربرآوردہ علماء حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ حضرت مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری وغیرہ کی وفات کے بعد ضرورت کے تحت حافظ جی حضورؒ نے بھی اجتماعی امور میں حصہ لینا شروع فرما دیا۔ اور خاص طور پر بنگلادیش بننے کے بعد اُن کی ذات ملک بھر کے دینی حلقوں کا سب سے بڑا مرکز بن گئی۔

لال باغ کے مدرسے کے علاوہ حافظ جی حضورؒ نے ڈھاکہ کے نواح کم زنگی چر کے علاقے میں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا، یہ مدرسہ لال باغ سے کافی دور تھا اور برسات کے موسم میں تو وہاں کشتی کے بغیر جانا ممکن نہ تھا۔ لیکن حافظ جی حضور اپنی پیرانہ سالی کے باوجود بیک وقت دونوں مدرسوں کی نگرانی و سرپرستی فرماتے رہے۔

بنگلادیش بننے کے بعد میں پہلی بار ۱۹۸۰ء میں ڈھاکہ گیا تو حافظ جی حضور نے انتہائی شفقت و محبت سے کم زنگی چر کے مدرسے میں مدعو فرمایا۔ ایک دن ایک رات ان کی خدمت و صحبت میں رہنے کا موقع ملا اور ان کی شفقت و عنایت کے مناظر سے قلب و نظر کو سرور حاصل ہوا۔

اُسی وقت میں نے پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل سے استعفیٰ دیا ہوا تھا، حضرتؒ نے مجھ سے اس کی وجہ پوچھیں جو میں نے بیان کردیں جب میں چلنے لگا تو حضرتؒ نے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے نام ایک خط احقر کے حوالہ فرمایا کہ میں صدر صاحب کو پہنچا دوں، میں نے خط پڑھا تو اس کے آخری جملے مجھے خلاف مصلحت معلوم ہوئے اور اُن کی موجودگی میں میرا اس خط کو صدر صاحب تک پہنچانا مناسب معلوم نہ ہوا چنانچہ میں نے اپنا یہ اشکال حضرت سے ذکر کرکے درخواست کی کہ یہ جملے خط سے حذف فرمادیں، لیکن حضرت نے حکماً فرمایا کہ یہ جملے اسی طرح رہنے دو اور خط ضرور پہنچاؤ۔ احقر ادباً خاموش ہوگیا اور پاکستان پہنچنے کے بعد خط صدر صاحب تک پہنچادیا، جس پر انہوں نے بڑی ممنونیت کا اظہار کیا۔ خط کا مضمون چونکہ سدا بہار ہے اور اس سے حافظ جی حضورؒ کے دلِ دردمند کی عکاسی ہوتی ہے اس لئے وہ ذیل میں پیش خدمت ہے۔

یکے از فقیر حقیر کمترین خلائق مسمّٰی بہ محمد اللہ عفی عنہ

بشرف ملاحظہ جناب مخدومنا المکرم ضیاء الحق صاحب صدر مملکت پاکستان اضاء اللہ بعقولہم ونور ہدایتہ ملکہ وجعلہ من الہادین والمہتدین غیر ضالین ولا مضلین سلماً لاولیائہ وحرباً لاعدائہ

واعداء الدین اللّٰھم اجعلہ من اولیاءک المنتخبین الذین لایخافون فی اللّٰہ لومۃ لائم آمین ثم آمین
السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ،

اما بعد عرض یہ ہے کہ یہ کمترین خلائق اس لائق نہیں کہ آپ جیسی بلند ہستی کے سامنے کچھ عرض معروض پیش کرے تاہم حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا ایک ارشاد یہ تھا کہ حق بات ایک بچہ بھی مجھے سمجھادے تو میں ماننے کے لئے ہر وقت تیار ہوں اور آپ جانتے ہیں ماننا وہی معتبر ہے کہ جس پر عمل مرتب ہو مطلق ماننا معتبر نہیں جیسا کہ ابوجہل وغیرہ بہت سے کفار بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی جانتے اور مانتے تھے مگر بے ایمان ہی دنیا سے رخصت ہو کر نمرود و فرعون وغیرہ جیسے دبدبہ والے بادشاہ کی طرح ابدالآباد کیلئے سزائے جہنم کے مستحق ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے اور اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے آپ کو دنیا کی ایک سربلندی عطا فرمائی اس نعمت کے شکریہ میں ملک خدا میں قانون خداوندی نافذ اور عمل کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلی صدمہ سے بچائیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں امت کی بداعمالیوں کی رپورٹ پہونچتی ہے اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "لاتسودوا وجہی عند اللہ یوم القیامۃ او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام" کیا کوئی مومن حضور کے اس صدمہ کی کو برداشت کر سکتا ہے اسی صدمہ کے پیش نظر ایک بزرگ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطاب کر کے کہا۔

ای لبسرا پردہ یثرب بخواب — خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

درحقیقت بزرگ نے اپنے دلی صدمہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے حضور کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے فرمادیا کہ اے اللہ ہم پر حکومت عادلہ قائم فرما۔

آپ کو معلوم ہو گا کہ ہمارے اکابرین علماء حقانی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے سلسلہ کے بزرگوں نے کفری سلطنت اور اسکی گمراہیوں سے بچانے کے لئے کیا کیا قربانیاں دیں مثلاً سید احمد اور مولانا اسمٰعیل وغیرہ شہید نے بالاکوٹ میں کیا کیا قربانیاں دیں اور احیاء دین کے لئے شہادت قبول کیا بالخصوص قیام پاکستان کے لئے محض اس وعدہ پر لاکھوں مسلمان اپنا خون بہا کر خدا کے پیارے پیارے ہوئے بنے کہ پاکستان میں اسلامی قانون قرآن و سنت کے موافق عمل میں لایا جاویگا دیکھئے حضرت حکیم الامت بموجب قائد اعظم مسٹر جناح مرحوم کے اعلانات ممکن ہریاد رکھنے والوں کو ان کے ارشاد اعلانات کے دن تاریخ بھی ہو۔ دہیں ایوب خان کے دور کے گورنر بنگال عبدالمنعم خان مرحوم نے یہاں کہا تھا کہ مسٹر جناح نے آخری سفر بنگال میں مجمع عام میں یہ خطاب کیا کہ میں نے پاکستان میں مسلمان کے حکومت اس وعدہ پر لایا کہ اس ملک میں چودہ سو سال پہلے کا قانون خداوندی ملک خدا میں نافذ کردوں گا اگر مجھ سے نہ ہو سکا تو سب مسلمان اس کے ذمہ دار ہیں اگر کوتاہی کریں تو خداوند کریم کے

سامنے روز محشر میں اس کے جواب دہ ہوں گے اور کما قال مجدد زماں حضرت حکیم الامت کے ساتھ مرحوم مسٹر جناح کے عہد و پیمان کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ مسٹر جناح مرحوم کے رفیق کار رہے اور حضرت حکیم الامت کی دعا اور توجہات کے بعد پاکستان وجود میں آیا واحسرتاہ اللہ تعالیٰ نے غالباً تئیس سال تک مہلت دی پھر بھی عہد شکنی پر اڑے رہے خدا کی طرف سے یہ عذاب نازل ہوا کہ آپس میں لڑکر قوت متحدہ کے دو ٹکڑے ہوئے اور لاکھوں مسلمانوں کے خون کے ندیاں بہایا نہ معلوم کون شہید اور کون مردود ہوا۔

۱ - اللہ تعالیٰ نے بقیہ پاکستان کے باگ دوڑ آپ کے ہاتھ میں دیا - فینظر کیف تعملون - ایک اللہ کو راضی کریں کہ جس نے آپ کو یہ نعمت عطا کیا علماء حقانی کے مشورہ سے اپنے عزائم کو درست کریں کیونکہ ہر زمانہ میں کچھ علماء سو بھی ہوتے ہیں، دیکھئے مکتوبات امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ان کے مشورہ سے سلطان جہانگیر نے کام کیا اور علماء سو کے وجہ سے شاہ اکبر بگڑ کر ایک نیا دین الٰہی ایجاد کیا حضرت شاہ جہانگیر نے حضرت مجدد صاحب کے مشورہ سے سارے فتنہ اکبری سے ملک کو صاف کیا - صحیح دین مسلمانوں کو دکھایا - آپ بھی زمانہ کے مجدد حضرت حکیم الامت تھانوی کی کتابیں جتنا ہو سکے مطالعہ کریں، بالخصوص (۱) حیوٰۃ المسلمین اور (۲) صیانۃ المسلمین پر عمل کریں اور ہمارے یہ نوجوان جناب مولانا محمد تقی صاحب ولد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے صاحبزادہ کو اپنے قرب سے اور مشیرین سے ہرگز الگ نہ ہونے دیں اگر کسی عذر سے یہ دور رہنا ہی چاہیں آپ ہرگز گوارہ نہ کریں بلکہ عذر کو دور کریں - میں نے بھی ان کو سخت تاکید کیا کہ یہ آپ سے ہرگز دور نہ رہیں یہ میرا ایک نہایت خیر خواہانہ مشورہ ہے - وما علینا الا البلاغ

احقر محمد اللہ عفی عنہ ۲۳؍ شوال ۱۴۰۲ھ

مدرسہ نوریہ اشرف آباد - ڈھاکہ

نظریاتی اور تبلیغی حد تک حافظ جی حضورؒ کی طرف سے ملک کے دینی اور سیاسی حلقوں کی رہنمائی فرمانا ملک وملت کے لئے بڑی سعادت کی بات تھی، لیکن حضرتؒ کے بعض رفقاء نے انہیں رفتہ رفتہ انتخابی سیاست میں براہ راست شریک کرنے کی کوشش کی۔ اتفاق سے یہ حضرتؒ کی زندگی کا وہ دور تھا جب وہ بہ کثرت استغراق کے سے عالم میں رہتے تھے ملک وملت کی اصلاح کا جذبہ تو دل میں پہلے سے موجود ہی تھا، ان دونوں چیزوں نے مل کر حضرتؒ کو براہ راست انتخابی سیاست میں لاکھڑا کیا۔ احقر کی ناقص رائے میں یہ بات حضرت کے شایان شان نہ تھی اور حضرت کی اصلاحی وتبلیغی جدوجہد سے ملک وملت کو جو دیرپا اور ٹھوس فائدہ حاصل ہو رہا تھا اس کو بہت نقصان پہنچا لیکن حافظ جی حضورؒ کی عظیم مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ صدر مملکت کے بعد سب سے زیادہ ووٹ انتخابات میں انہوں نے ہی حاصل کئے۔

اسی دوران ایک اور المیہ یہ پیش آیا کہ ایرانی انقلاب اور خمینی حکومت کی حمایت میں بعض بیانات کی بناء پر (جن کی حقیقت احقر کو پوری طرح معلوم نہیں) ملک کے بیشمار دینی حلقے، جو حضرت کی سیاسی تحریک میں ان

کے دست بازو بنے ہوئے تھے حضرتؒ سے دور ہوتے چلے گئے۔

احقر کو ان واقعات کی مکمل تفصیل تو دور ہونے کی بناء پر معلوم نہیں ہو سکتی تھی، لیکن حافظجی حضورؒ کی طبیعت سے کسی قدر آشنا ہونے کی بناء پر میرا اندازہ یہ تھا کہ ان اقدامات کو حضرت کی طرف سے منسوب کرنا بظاہر درست نہیں ہے اور یہ ان کی اپنی سوچ کا کرشمہ نہیں ہو سکتے۔ ابھی چھ ماہ پہلے جب میں دوبارہ بنگلادیش گیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس خیال کی مکمل تصدیق ہو گئی۔ احقر نے انتہائی عاجزی کے ساتھ حضرتؒ سے درخواست کی کہ آپ اپنے اصل کام یعنی اصلاح و ارشاد کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائیں اور ہر قسم کی سیاسی اور جماعتی سرگرمیوں سے اپنے آپ کو یکسو فرمالیں اس طرز عمل سے ملک و ملت کو جو فائدہ پہنچ سکتا ہے سیاسی اور جماعتی سرگرمیوں سے اس کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضرتؒ نے احقر کی ان معروضات کو نہ صرف بکمال شفقت نہایت توجہ سے سنا بلکہ صریح الفاظ میں فرمایا کہ :-

"بھائی میرا مزاج اور میری رائے تو بالکل وہی ہے جو آپ کہہ رہے ہیں۔"

اس گفتگو سے احقر کے سابقہ خیال کی مکمل تصدیق ہو گئی لیکن ماحول کی جن مجبوریوں کی بناء پر حضرت اپنے اصل مزاج کے خلاف ان سرگرمیوں سے یکسو نہ ہو سکے ان کی تفصیل میں جانے کی نہ ضرورت ہے نہ ان کی پوری تحقیق ہے۔ بہر صورت! یہ بات واضح ہے کہ ان کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے کے سوا کچھ نہ تھا ان کی زندگی کا ہر سانس اطاعتِ الٰہی میں ڈوبا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ ان کی ذات سے بلا مبالغہ ہزاروں افراد اس طرح فیضیاب ہوئے کہ ان کی زندگیاں بدل گئیں۔ ان کے حالات میں انقلاب آگیا اور اس آخری دور میں بھی جب حالات انہیں سیاست کے گرداب میں کھینچ لائے تھے ان کا اصلاح و ارشاد کا سلسلہ بدستور جاری تھا اور اس سے مسلمانوں کو عظیم فائدہ پہنچ رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی روح پر فتوح پر اپنی بیشمار رحمتیں نازل فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ۔

مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیلؒ

شعبان کے اواخر میں محترم بزرگ جناب مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل رحمۃ اللہ علیہ ایک حادثے کا شکار ہو کر داغِ مفارقت دے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا ہمارے ملک کے ان ممتاز اور جید علماء میں سے تھے جن کی طرف ملک و ملت کے ہر اجتماعی مسئلے میں نگاہیں اٹھتی تھیں۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے نہ صرف فارغ التحصیل تھے بلکہ انہوں نے کچھ عرصہ وہاں تدریس کا شرف

بھی حاصل کیا۔ تمام دینی علوم پر اُن کی بڑی وسیع نگاہ تھی اور بالخصوص فقہ و فتویٰ کے ساتھ خصوصی شغف تھا۔

مولانا طبقے کے اعتبار سے یقیناً مجھ ناکارہ کے اساتذہ کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور اگرچہ احقر نے براہ راست ان سے کچھ نہیں پڑھا تھا۔ لیکن احقر نے ان کے علم و فضل اور تقدم کے لحاظ سے ان کے ساتھ ہمیشہ نیاز مندانہ تعلق رکھا۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ کی حیات میں اُن کے ساتھ رابطہ بس دور دور ہی سے رہا کبھی شاذونادر ملاقات بھی ہوگئی اور کبھی خط و کتابت بھی۔

لیکن حضرت والد صاحب قدس سرہ کی وفات کے بعد مولانا کا ایک پر اثر خط احقر کے پاس آیا اس میں حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کی وفات پر رنج و غم کا اثر انگیز اظہار تو تھا ہی مگر اس کے ساتھ ایک فقہی مسئلے کے بارے میں ایک طویل استفسار بھی تھا۔ مجھے حیرت بھی ہوئی کہ اُن جیسے علم و فضل کے آدمی کو مجھ ناکارہ سے اس مسئلے میں رجوع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن درحقیقت یہ ان کی بے نفسی اور دینی مسائل میں غایت احتیاط کی علامت تھی کہ ان کے پاس آئے ہوئے ایک استفتاء میں انہیں کچھ شبہ ہوا تو اپنے ایک چھوٹے سے بھی استصواب کرنے میں انہیں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوئی انہوں نے لکھا کہ پہلے ہم ان جیسے مسائل میں آپ کے والد ماجد قدس سرہٗ سے رجوع کیا کرتے تھے، اب حال یہ ہے کہ ؎

فصل گل رفت و گلستاں شد خراب

بوئے گل را از کہ جوئیم ؟ از گلاب

بہرکیف احقر نے اپنی بساط کے مطابق مسئلے کا مفصل جواب لکھکر بھیجا؟ مولانا نے اس پر نہ صرف اپنی موافقت، بلکہ بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اتفاق سے مولانا کا وہ خط اس وقت مل گیا جو انہوں نے فتویٰ موصول ہونے پر احقر کو لکھا تھا اس سے مولانا کی دردمندی و دلسوزی اور اس کے ساتھ چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کا جذبہ، نیز اسلوب تحریر کا اندازہ ہو سکیگا یہ خط ذیل میں پیش خدمت ہے:۔

"بہ خدمت جناب محترم حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

بعد از سلام مسنون عرض ہے کہ کل آپ کا ارسال کردہ فتویٰ موصول ہوا۔ بڑے غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کیا۔ پڑھتے وقت بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی اور سارا فتویٰ مطالعہ کرنے کے بعد بہت زیادہ دُعائیں دیں محترم مولانا محمد رفیع صاحب کی مخلصانہ دُعا کثر اللہ امثالہ کو دو تین بار پورے حضورِ قلب کے ساتھ دہرانے کے بعد اور بھی جو جو دُعائیں مستحضر ہو سکیں پورے اخلاص کے ساتھ دیں آپ نے نہ صرف یہ کہ اس کے لئے بڑی محنت اور مطالعہ کیا ہے بلکہ پوری فقاہت کے ساتھ مختلف اجزاء کی تنقیح کر کے اُس کے مطابق مفصل اور تشفی بخش جواب دے دیا ہے۔ غالب نے تو

"تقریر کی لذت" کہا ہے مگر میں کچھ تصرف کر کے یہی لکھوں گا ؎

دیکھنا تحریر کی لذت کہ جو اُس نے لکھا میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اس مسئلہ کو جس طرح میں نے اپنے محدود علم کے مطابق فقہی حوالوں سے سمجھا تھا۔ اگرچہ اس کا اظہار استفتاء میں نہیں کیا تھا اور مناسب بھی نہیں تھا۔ آپ نے ٹھیک اسی انداز سے بالتفصیل تحریر

فرمایا ہے بلکہ جتنے حوالے میرے علم اور مطالعے میں تھے ۔ آپ نے اس پر معین الحکام اور شامی کے بعض اُن حوالوں کا اضافہ کر دیا ہے جو قاضی کی ذمہ داریوں سے متعلق ہیں ۔ اور مجھے اس کا اعتراف ہے کہ آپ کے اس فتوے سے میرے علم میں بھی اضافہ ہوا ہے ۔ "جزاک اللہ فی الدارین خیرًا" مجھے بہت زیادہ خوشی اس بات کی ہوئی کہ الولد سر لابیہ کا مقولہ آپ کے حق میں بالکل صحیح ثابت ہوا اور آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی صحیح جانشینی کا استحقاق آپ کو ہے اور حضرت کے مسند افتاء کو آپ کما حقہ سنبھال سکتے ہیں اُن کی وفات کے حادثہ عظمیٰ کا ایک پہلو نہایت غم انگیز یہ بھی تھا کہ اہم فقہی مسائل میں اُن کی رہنمائی سے مسائل حل ہو جایا کرتے تھے اُن کی مفارقت سے پوری ملت کو اس رہنمائی سے محرومی کا حادثہ پیش آیا تھا ۔ لیکن آپ کی اس محنت ، علمی کاوش ، فقیہانہ انداز اور سلیس وعام فہم عبارتوں کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ انشاء اللہ تعالیٰ حضرت کے بعد بھی اُن کی یادگار اولاد تدریس و افتاء دونوں شعبوں میں ملک و ملت کی رہنمائی کا کام سرانجام دے گی ۔ میری درخواست ہے کہ آپ اپنے مصروف اوقات میں سے کچھ وقت اہم فتووں کے مرتب کرنے اور لکھنے کیلئے نکال لیا کریں تاکہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دار الافتاء حقیقی معنوں میں آباد اور پورے پاکستان کے لئے مرکز افتاء ہو پاکستان میں فقیہ النفس مفتیوں کی کمی نہیں بلکہ نایابی ہے ۔ کسی معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے حضرات فقہاء کرام کی علمی تحقیقات و اجتہادات کی روشنی میں صحیح مسئلہ بتانے والا عالم اب بہت ہی کم ملتا ہے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے تمام مدارس عربیہ اس حیثیت سے تو عقیم ہیں اور ایسے عالم اور صاحب افتاء اب ان مدارس سے نہیں نکلتے ۔ بلکہ نئے فارغ التحصیل مولوی صاحبان کی توجہ بھی اس طرف نہیں ہوتی ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید توفیق و ہمت عطا فرمائے ان مخلصانہ دعاؤں کے ساتھ یہ عریضہ ختم کرتا ہوں ۔ مولانا محمد رفیع صاحب مدظلہ ، دوسرے اساتذہ کرام خصوصًا مولانا غلام محمد صاحب اور مولانا شمس الحق صاحب کو میری طرف سے سلام مسنون قبول ہو ۔ فقط والسلام

احقر سید سراج الدین کاکاخیل عفی عنہ / ۶ مارچ ۱۹۷۷ء "

اس واقعہ کے کچھ ہی عرصہ بعد قدرت نے مولانا کے ساتھ ایک طویل رفاقت کی سعادت عطا فرمائی صدر ضیاء الحق صاحب کے ابتدائی عہد حکومت میں جب اسلامی نظریاتی کونسل دوبارہ تشکیل دی گئی تو اس میں مولانا بھی رکن بنے اور یہ ناکارہ بھی ۔ اس طرح تقریبًا تین سال مولانا کے ساتھ دن رات کام کرنے کا موقع ملا ۔ یہ ان کی بزرگانہ شفقت تھی کہ انہوں نے اس پورے عرصے میں احقر ناکارہ کے ساتھ برابری کا سا معاملہ فرمایا ۔ اور اپنے آپ سے اتنا بے تکلف کر لیا کہ بعض اوقات مجھے یہ احساس ہونے لگتا کہ میں اپنی حدود سے تجاوز تو نہیں کر رہا ۔

چھوٹا ہونے کی وجہ سے کونسل میں تحریری کام زیادہ تر اس ناکارہ کے سپرد ہو جاتا ۔ مفتی صاحب اس میں ہمیشہ اپنے بیش قیمت مشوروں سے نوازتے ، رہنمائی فرماتے اور کام کی تکمیل پر بڑی ہمت افزائی کرتے تھے ان

کے قیمتی مشوروں سے احقر نے بہت سے علمی معاملات میں بڑا استفادہ کیا اور حضرت مولانا بنوری قدس سرہٗ کی وفات کے بعد ان کی وجہ سے بڑی تقویت حاصل رہی۔ اسی دوران ۱۹۷۹ء میں کونسل کا ایک وفد سعودی حکومت کی دعوت پر ایام حج میں سعودی عرب کے دورے پر گیا اس طرح مولانا کے ساتھ سفر حج کی رفاقت بھی میسر آئی اور حج کے دوران مولاناؒ کے ذوقِ عبادت اور افضل و اولیٰ طریقوں پر عمل کا شوقِ فراواں قدم قدم پر محسوس ہوا۔

مفتی صاحب رحؒ سیاسی اور دعوتی معاملات میں مولانا مودودی صاحب مرحوم اور جماعتِ اسلامی سے نہ صرف متفق بلکہ ان سے آخر تک پوری طرح وابستہ رہے۔ اور اس لحاظ سے ان کا طرزِ فکر و عمل عام علماء دیوبند سے مختلف تھا۔ اس سلسلے میں وہ جماعت اسلامی کا بڑے زور و شور کے ساتھ دفاع بھی کرتے تھے لیکن فقہ و عقائد کے معاملے میں بسا اوقات ان کی رائے عام علمائے دیوبند ہی کے ساتھ رہتی اور وہ ان معاملات میں مولانا مودودیؒ سے اختلاف کا اظہار بھی فرماتے تھے ان کا کہنا یہ تھا کہ "جماعت اسلامی ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے جو جدوجہد کر رہی ہے، میں اس جدوجہد میں اس کے ساتھ پورا تعاون کرنا چاہتا ہوں اور فقہی معاملات میں مولانا مودودی مرحوم کی آراءِ شاذہ کا ہمنوا نہیں ہوں"۔ چنانچہ بعض معاملات میں احقر نے خود مشاہدہ کیا کہ وہ مولانا مودودیؒ کی رائے کے خلاف نہ صرف فتویٰ دیتے، بلکہ جماعت اسلامی کے حضرات کو مولاناؒ کے بعض ایسے فتووں پر عمل کرنے سے روکتے تھے۔ جنہیں انہوں نے ائمہ اربعہ کے مسلک کے خلاف کوئی راہ اختیار کی ہے۔

تاہم مولانا مودودی رحؒ کی جن آراءِ شاذہ سے مفتی صاحبؒ کو اختلاف تھا ان کے باوجود وہ ان کے لٹریچر کو بحیثیت مجموعی نہایت مفید سمجھتے اور لوگوں کو اسے پڑھنے کی تبلیغ بھی فرماتے تھے۔

کونسل کی رکنیت کے دوران کونسل کا اپنا کام اس قدر ہوتا کہ کبھی اس قسم کے مسائل پر تفصیل سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا، لیکن کبھی کبھی یہ موضوعات بھی زیرِ گفتگو آئے احقر نے اپنی رائے ان سے عرض کی انہوں نے اپنی رائے ارشاد فرمائی اختلافِ رائے تو برقرار رہا، لیکن فضا ہمیشہ خوشگوار اور علمی ہی رہی۔

مفتی صاحب رحؒ کو مغربی تجدد پسندی سے نہ صرف نفرت تھی بلکہ وہ اس کے خلاف شمشیر برہنہ تھے۔ ان معاملات پر جب کبھی کونسل میں کوئی گفتگو آجاتی تو وہ جلال میں آجاتے اور شدتِ جذبات میں ان کی آواز بھی بلند ہو جاتی تھی۔

جب کونسل سے میں مستعفی ہوا تو وہ بھی مستعفی ہو گئے تھے بعد میں کچھ وعدے وعید کے بعد کچھ ایسی ترتیب بنی کہ میں وفاقی شرعی عدالت میں چلا گیا اور وہ دوبارہ کونسل کے رکن ہو گئے۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب کی سربراہی میں وہ کونسل کے ہمہ وقتی رکن کی حیثیت سے بڑی گرانقدر خدمات انجام دیتے رہے لیکن جب ان کی مدت تقرر ختم ہوئی تو ڈاکٹر ضیاء الدین نے انہیں اپنے "عالمی ادارۂ اقتصاد اسلامی" میں بلالیا اور وہ وہاں تحقیقی کام کرتے رہے۔

شعبان کے آخری ہفتے میں اسی ادارے نے اسلامی ترقیاتی بنک جدہ کے تعاون سے جدہ میں ایک محفلِ مذاکرہ ترتیب دی تھی جس میں قرضوں کو قیمتوں کی شرح سے مربوط کرنے (INDEXALIM) کی فقہی حیثیت زیر بحث تھی اس مذاکرے میں شرکت کے لئے چند روز قبل مکہ مکرمہ پہنچ گیا تھا خیال تھا کہ انشاء اللہ ان سے جدہ میں ملاقات ہوگی لیکن مذاکرے سے ایک روز قبل میں نے جدہ فون کیا تو ڈاکٹر منظور اقبال نے یہ اندوہناک خبر سنائی کہ مفتی صاحبؒ پشاور سے

اپنے صاحبزادے کے ہمراہ جدّہ جانے کے لئے بذریعہ کار اسلام آباد آرہے تھے کہ راستے میں کار کو شدید حادثہ پیش آیا اور وہ اپنے صاحبزادے سمیت اس حادثے میں شہید ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

یہ خبر اتنی غیر متوقع اور اس قدر اندوہناک تھی کہ پہلی بار سننے پر یقین نہ آیا، لیکن قدرت کے فیصلے کسی کے یقین کرنے یا نہ کرنے پر موقوف نہیں ہوتے۔ ان کا وقت موعود آچکا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد تقی عثمانی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

قارئین "البلاغ" کو یہ اندوہناک خبر دی جا رہی ہے کہ ایک نہایت متقی اور عامل سنت بزرگ سید محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ جو مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز بیعت بھی تھے بتاریخ ۱۶ شوال المکرم ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۲ جون ۱۹۸۶ء بروز ہفتہ بوقت عصر یعنی ساڑھے پانچ بجے کے قریب رحلت فرما گئے اور دار العلوم کراچی کے قبرستان میں اسی رات کو مدفون ہوئے۔ آپ عرصۂ تین سال سے متعدد عوارض میں مبتلا ہونے کے باعث گوشہ نشینی پر مجبور تھے اور قریباً چھ ماہ سے تو بالکل ہی صاحب فراش تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ کا سوانحی خاکہ ماہنامہ البلاغ کے مفتی اعظم نمبر میں شائع ہو چکا ہے تاہم اگر مزید تفصیلات آں موصوف کے متعلق موصول ہوئیں تو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کسی شمارہ میں شائع کردی جائیں گی۔

قارئین البلاغ اور جملہ متعلقین و معتقدین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ سید محمود حسن صاحب کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین۔ ——— ادارہ

معارف القرآن — سورۂ زمر — آیت ۲۱ تا ۲۳

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلاصۂ تفسیر

(اے مخاطب) کیا تو نے اس (بات) پر نظر نہیں کی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے سوتوں میں (یعنی ان قطعات میں جہاں سے پانی اُبل کر کنوؤں اور چشموں کے ذریعہ نکلتا ہے) داخل کر دیتا ہے پھر (جب وہ اُبلتا ہے تو) اُس کے ذریعے سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں پھر وہ کھیتی بالکل خشک ہو جاتی ہے سو اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر (اللہ تعالیٰ) اس کو چورا چورا کر دیتا ہے اس (نمونہ) میں اہل عقل کے لئے بڑی عبرت ہے (کہ یہی حالت بعینہٖ انسان کی دنیوی حیات کی ہے آخر فنا، آخر فنا تو اس میں منہمک ہو کر ابدی راحت سے محروم رہنا اور ابدی مصیبت کو سر پر لینا نہایت حماقت ہے، گو ہمارا بیان نہایت بلیغ ہے مگر پھر بھی سب سننے والے باہم متفاوت ہیں) سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام (کے قبول کرنے) کے لئے کھول دیا (یعنی اسلام کی حقیقت کا اُس کو یقین آگیا) اور وہ اپنے پروردگار کے (عطا کئے ہوئے) نور (یعنی ہدایت کے مقتضا) پر (چل رہا) ہے (یعنی یقین لا کر اس کے موافق عمل کرنے لگا) کیا وہ شخص اور اہل قساوت برابر ہیں (جن کا ذکر آگے آتا ہے) سو جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے (اس میں احکام و مواعید سب آ گئے) متاثر نہیں ہوتے (یعنی ایمان نہیں لاتے) اُن کے لئے (قیامت میں) بڑی خرابی ہے (اور دنیا میں) یہ لوگ کھلی گمراہی میں (گرفتار) ہیں (آگے اُس نور اور ذکر کا بیان ہے یعنی) اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام (یعنی قرآن) نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ (باعتبار اعجاز نظم و صحت معانی کے) باہم ملتی جلتی ہے (اور جس میں سمجھانے کے لئے بعض بعض بہت ضروری بات) بار بار دہرائی گئی (وہذا کقولہ تعالیٰ ولقد صرّفنا الخ جس میں باوجود فائدہ تاکید و رسوخ مدعا

کے قلب مخاطب میں ہر جگہ خاص خاص لطائف کا بھی لحاظ ہوتا ہے جس سے خالی تکرار نہیں رہتا اور مثانی ہونا یعنی بار بار دھرایا جانا دلیل ہے ہدایت پر مشتمل ہونے کی) جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں (یہ کنایہ ہے خوف سے گو قلب ہی میں رہے بدن پر اثر نہ آوے اور گو وہ خوف عقلی و ایمانی ہو، طبعی و حالی نہ ہو) پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر (یعنی کتاب اللہ پر عمل کرنے) کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں (یعنی ڈر کر اعمال جوارح و اعمال قلب کو انقیاد اور توجہ سے بجالاتے ہیں اور) یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اُس کے لئے ذریعہ ہدایت کرتا ہے (جیسا خائفین کا حال ابھی سنایا گیا) اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں (جیسا قاسین یعنی سخت دل کافروں کا حال ابھی سنایا گیا۔

معارف و مسائل

فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ۔ ینابیع۔ ینبوع کی جمع ہے جس کے معنی زمین سے پھوٹنے والے چشمے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی نازل کر دینا ہی ایک عظیم الشان نعمت ہے مگر اس نعمت کو اگر زمین کے اندر محفوظ کر دینے کا انتظام نہ کیا جاتا تو انسان اُس سے صرف بارش کے وقت یا اس کے متصل چند دن تک فائدہ اٹھا سکتا۔ حالانکہ پانی اس کی زندگی کا مدار اور ایسی ضرورت ہے جس سے وہ ایک دن بھی مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے صرف اس نعمت کے نازل کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے محفوظ کرنے کے عجیب عجیب سامان فرمادیئے۔ کچھ تو زمین کے گڑھوں، حوضوں اور تالابوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور بہت بڑا ذخیرہ برف بنا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لاد دیا جاتا ہے۔ جس سے اس کے سڑنے اور خراب ہونے کا امکان نہیں رہتا۔ پھر وہ برف آہستہ آہستہ پگھل کر پہاڑی رگوں کے ساتھ زمین میں اُتر جاتا ہے اور جا بجا اُبلنے والے چشموں کی صورت میں خود بخود بغیر کسی انسانی عمل کے پھوٹ نکلتا ہے اور ندیوں کی شکل میں زمین میں بہنے لگتا ہے اور باقی پانی پوری زمین کی گہرائی میں چلتا رہتا ہے جس کو کنواں کھود کر ہر جگہ نکالا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم میں اس نظام آبپاشی کو پوری تفصیل سے سورہ مؤمنون میں آیت فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ کھیتی کے اُگنے کے وقت اور پکنے کے وقت اُس پر مختلف رنگ آتے جاتے رہتے ہیں اور چونکہ ان رنگوں میں انقلاب اور تجدد ہے اس لئے مختلفا کو ترکیب نحوی میں حال بنا کر منصوب کیا گیا ہے جو تجدد پر دلالت کرتا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ۔ یعنی پانی اتارنے اور اس کو محفوظ کر کے انسان کے کام میں لگانے پھر اس سے قسم قسم کی نباتات اور درخت اُگانے اور اُن درختوں پر مختلف رنگ آنے کے بعد آخر میں زرد خشک ہو کر غلہ الگ اور بھوسہ الگ ہو جانے میں بڑی نصیحت ہے عقل والوں کے لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت و حکمت کے دلائل ہیں۔ جن کو دیکھ کر انسان اپنی تخلیق کے معاملہ کی حقیقت بھی پہچان سکتا ہے جو ذریعہ ہو سکتی ہے اپنے خالق و مالک کے پہچاننے کی۔

(اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔ شرح کے لفظی معنے ، کھولنے، پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں ۔ شرح صدر کے معنٰی وسعت قلب کے ہیں ۔جس کا مطلب یہ ہے کہ قلب میں اس کی استعداد موجود ہو کہ وہ تکوینی آیاتِ الٰہیہ آسمان و زمین اور خود اپنی پیدائش وغیرہ میں غور کر کے عبرت اور فوائد حاصل کرے اسی طرح جو آیاتِ الٰہیہ بصورت کتاب و احکام نازل کی جاتی ہیں اُن میں غور کر کے استفادہ کر سکے ۔ اس کا بالمقابل دل تنگی اور قساوت قلب ہے ۔ قرآن کریم کی ایک آیت یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا اور اس جگہ اگلی آیت میں لِلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اسی شرح صدر کے بالمقابل آیا ہے ۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ سے شرح صدر کا مطلب پوچھا آپ نے فرمایا کہ جب نور ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے (جس سے احکام الٰہیہ کا سمجھنا اور عمل کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس (شرح صدر) کی علامت کیا ہے تو آپ نے فرمایا :۔

الانابة الى دار الخلود والتجافی عن دار الغرور والتاهب للموت قبل نزوله	ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا اور دھوکے کے گھر یعنی دنیا (کی لذائذ اور زینت) سے دور رہنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا ۔
رواه الحاکم فی المستدرک والبیہقی فی شعب الایمان (روح المعانی)	

آیت مذکورہ کو حرف استفہام (اَفَمَنْ سے شروع کیا گیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا ایسا شخص جس کا دل اسلام کے لئے کھول دیا گیا ہو ۔ اور وہ اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے نور پر ہے یعنی اسی کی روشنی میں سب کام کرتا ہے ۔ اور وہ آدمی جو دل تنگ اور سخت دل ہو کہیں برابر ہو سکتے ہیں اس کے بالمقابل سخت دل کا ذکر اگلی آیت میں عذاب ویل کے ساتھ کیا گیا ہے ۔

فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ ۔ قاسیہ قساوت سے مشتق ہے جس کے معنٰی سخت دل ہونا جس کو کسی پر رحم نہ آئے اور جو اللہ کے ذکر اور اس کے احکام سے کوئی اثر قبول نہ کرے ۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۔ اس سے پہلی آیت میں اللہ کے مقبول بندوں کا یہ حال ذکر کیا گیا تھا کہ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اس آیت میں بتلا دیا کہ پورا قرآن ہی احسن الحدیث ہے ۔ حدیث کے لفظی معنٰی اس کلام یا قصے کے ہیں جو بیان کیا جاتا ہے ۔ قرآن کو احسن الحدیث فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ انسان جو کچھ کہتا بولتا ہے ان سب میں احسن الکلام قرآن ہے ۔ آگے قرآن کی چند صفات ذکر فرمائی ہیں ایک کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا متشابہ سے مراد اس جگہ متماثل ہے یعنی مضامین قرآنیہ ایک دوسرے سے مربوط اور مماثل ہیں کہ ایک آیت کی تشریح و تصدیق دوسری آیت سے ہو جاتی ہے اس کلام میں تضاد و تعارض کا نام نہیں ہے ۔ دوسری صفت مثانی ہے جو مثنٰی کی جمع ہے جس کے معنی مکرر کے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک مضمون کو ذہن نشین کرنے کے لئے بار بار دہرایا جاتا ہے تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ ۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۔ یعنی اللہ کی عظمت سے متاثر ہو کر ڈرنے والوں کا قرآن پڑھ کر خشیت و ہیبت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اُن کے بدن پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں، چوتھی صفت یہ ہے کہ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ یعنی تلاوت قرآن کا اثر کبھی عذاب کی وعید سن کر یہ ہوتا ہے کہ بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی رحمت و مغفرت کی آیات سن کر یہ حال ہوتا ہے کہ بدن اور قلب سب اللہ کی یاد میں نرم ہو جاتے ہیں ۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ صحابۂ کرام کا عام حال یہی تھا کہ جب اُن کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور بدن پر بال کھڑے ہو جاتے ۔ (قرطبی)

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندے کے بدن پر اللہ کے خوف سے بال کھڑے ہو جاویں تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن کو آگ پر حرام کر دیتے ہیں ۔ (قرطبی)

محمد تقی عثمانی

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ

(دوسری قسط)

۱۱- مذکورہ بالا احادیث کے مقابلے میں فاضل وکیل برائے وفاق جناب ریاض الحسن گیلانی نے تصویر کے جواز پر ایک اور حدیث سے استدلال کیا ہے، اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ زید بن خالد جہنیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان فرمایا کہ "فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی تصویر ہو"۔ بسر بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک مرتبہ حضرت زید بن خالدؓ بیمار ہوئے، ہم ان کی عیادت کے لئے گئے تو دیکھا کہ ان کے دروازے پر ایک پردہ پڑا ہوا ہے جس پر تصویر ہے، میں نے یہ دیکھ کر عبید اللہ خولانیؒ سے کہا کہ کیا حضرت زیدؓ نے ہمیں تصویروں کے بارے میں کل حدیث نہیں سنائی تھی؟ اس پر عبید اللہؒ نے جواب دیا کہ کیا تم نے

یہ نہیں سُنا کہ اسی حدیث میں انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ :

الا رقماً فی ثوب

الا یہ کہ وہ کپڑے میں کوئی نقش ہو۔

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من کرہ القعود علی الصور)

اسی قسم کا ایک واقعہ جامع ترمذی میں مروی ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے بیماری کی حالت میں ایک شخص کو بلا کر اپنے نیچے سے ایک گدّا نکلوایا، حضرت سہل بن حنیفؓ نے پوچھا: آپ یہ گدّا کیوں نکلواتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ :

لأن فیہ التصاویر، وقال فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما علمت۔

اس لئے کہ اس میں تصویریں ہیں، اور ان کے بارے میں جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔

اس پر حضرت سہلؓ نے فرمایا :

"أو لم یقل: إلا ما کان رقماً فی ثوب؟

کیا آپ نے (ساتھ) یہ نہیں فرمایا تھا کہ" الا یہ کہ وہ کپڑے میں کوئی نقش ہو۔

حضرت ابوطلحہؓ نے جواب دیا کہ :

بلی، ولکنہ اطیب لنفسی۔

کیوں نہیں؟ لیکن مجھے (اس قسم کی تصویروں کا نکال دینا) زیادہ پسند ہے۔

(جامع ترمذی، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۵۰)

ان دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے پر بنی ہوئی تصویر کو دُوسری تصویروں کے حکم سے مستثنیٰ کر کے جائز قرار دیا ہے، اس کی بنیاد پر استدلال کیا گیا ہے کہ صرف وہ تصویریں ناجائز ہیں جو مجسّموں کی شکل میں ہوں، اور کپڑوں پر نقش کی ہوئی ایسی تصویریں ناجائز نہیں جن کا سایہ نہیں پڑتا۔

۱۲۔ لیکن صرف ان حدیثوں کی بنیاد پر یہ استدلال ہمارے نزدیک درست نہیں، تصویروں کی ممانعت پر جو احادیث اس فیصلے کے پیراگراف نمبر ۱۰ میں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے کسی میں بھی سایہ دار اور بے سایہ تصویروں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا، بلکہ ہر قسم کی تصویروں کو ناجائز قرار دیا ہے، خاص طور پر حدیث نمبر ۹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس تصویر پر ناراضگی کا اظہار فرمایا، اور اسے پھاڑ ڈالا، وہ ایک پردے ہی پر بنی ہوئی بے سایہ تصویر تھی، جس سے صاف واضح ہے کہ ممانعت صرف سایہ دار تصویروں کی نہیں، بلکہ بے سایہ تصویروں کی بھی ہے۔

ان تمام احادیث کے مقابلے میں صرف ان دو حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویروں کی ممانعت بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ :

إلّا ما كان رقماً في ثوب

الا یہ کہ وہ کپڑے میں کوئی نقش ہو۔

لیکن عربی لغت اور احادیث کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں صرف بیجان اشیاء کی تصویروں اور عام نقش و نگار کا استثناء کرنا مقصود ہے، جاندار اشیاء کی تصویر کا نہیں، اس لئے کہ اس استثناء کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی زبان کا لفظ "رقم" استعمال فرمایا ہے، اور عربی زبان میں یہ لفظ کپڑے پر بنی ہوئی دھاریوں، پھول پتوں اور دوسرے نقش و نگار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان کی مستند ترین ڈکشنری "لسان العرب" میں اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے :

الرَّقم : ضرب مخطط من الوشي۔

رقم : ایک قسم کے دھاری دار نقوش کو کہتے ہیں۔

(لسان العرب ص ۲۴۹ ج ۱۲ مادہ "رقم")

اسی لغت میں یہ بھی درج ہے کہ رقم کے لغوی معنی "لکھنے" اور "لکھائی" کے ہیں، اسی لئے مِرْقَم قلم کو کہتے ہیں، اور مُرَقِّم کاتب کو کہا جاتا ہے، اور جب یہ لفظ کسی کپڑے کیلئے استعمال ہوتا ہے تو "منقش" کے معنی میں آتا ہے، کہتے ہیں : رَقَمَ الثوبَ یعنی "کپڑے پر دھاریاں ڈال دیں"۔ اسی طرح علامہ ابن اثیر جزری تحریر فرماتے ہیں :

الرقم : النقش، واصله الكتابة

رقم نقش کو کہتے ہیں، اور لغت میں اس کے معنی لکھائی کے ہیں۔

اور امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

الرقم : الخط الغليظ

رقم موٹی لکیر کو کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں بھی یہ مادہ بیجان اشیاء کے نقوش کے لئے استعمال ہوتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں "الرقیم" اس تختی کو کہا گیا ہے جس میں اصحاب کہف کے نام لکھے ہوئے تھے۔ (المفردات فی غریب القرآن ص ۲۰۱ مادہ "رقم")

اور حدیث میں بھی یہ لفظ "نقش و نگار" کے معنی میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منقش پردے کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ :

ما لنا وللدنيا؟ وما لنا وللرقم؟

ہمیں دنیا سے کیا غرض؟ ہمیں نقش و نگار سے کیا کام؟

(صحیح بخاری، کتاب الھبۃ، باب ہدیۃ مایکرہ لبسہ، وأبوداؤد، کتاب اللباس،
باب اتخاذ الستور، حدیث ۴۱۴۹)

لغت اور قرآن و حدیث کے ان شواہد سے یہ بات واضح ہے کہ لفظ "رقم" جاندار اشیاء کی تصویروں کے لئے نہیں، بلکہ کپڑے پر بنے ہوئے نقش و نگار کے لئے استعمال ہوتا ہے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کی ممانعت فرماتے ہوئے یہ جو ارشاد فرمایا کہ:

إلا ما كان رقماً في ثوب۔

الا یہ کہ وہ کپڑے میں کوئی نقش ہو۔

اس سے جاندار اشیاء کی اجازت نہیں نکلتی، بلکہ کپڑے پر بنے ہوئے دوسرے نقش و نگار، دھاریوں اور پھول پتیوں کا جواز ثابت ہوتا ہے، چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جمہور علماء کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

انه محمول على رقم على صورة الشجر وغيره مما ليس بحيوان

اس حدیث میں رقم سے مراد درخت وغیرہ کی تصویر ہے جو جاندار نہ ہوں۔

(نووی شرح صحیح مسلم ص ۲۰۰ ج ۲، مطبوعہ اصح المطابع)

لہٰذا "إلا رقماً في ثوب" کے الفاظ سے جاندار اشیاء کی تصاویر کی اجازت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس استثناء کا بھی حاصل وہی نکلتا ہے جو دوسری احادیث سے بھی ثابت ہے، یعنی یہ کہ جاندار اشیاء کی تصاویر ناجائز، اور بے جان اشیاء کی تصاویر جائز ہیں۔

۱۳۔ ایک نقطۂ نظر یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ احادیث میں تصویر کی ممانعت دراصل ان تصاویر کے ساتھ مخصوص ہے جو مشرکانہ نوعیت کی ہوں، اور جنہیں بت پرستی کے نقطۂ نظر سے بنایا گیا ہو، یا وہ بت پرستی میں استعمال ہوتی ہوں، اور جو تصویریں مشرکانہ نوعیت کی نہ ہوں، وہ ممنوع نہیں ہیں۔

لیکن ممانعت کی احادیث پر غور کرنے سے اس نقطۂ نظر کی تائید نہیں ہوتی، اول تو ممانعت کی درجن بھر سے زائد احادیث میں سے کسی میں کوئی خفیف سا اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جو تصویر کی ممانعت کو پرستش کی غرض کے ساتھ مشروط قرار دیتا ہو، اس کے بجائے تمام احادیث میں ممانعت کا حکم مطلق اور غیر مشروط ہے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ تصویر صرف وہ ناجائز ہے جو پرستش کی غرض سے بنائی گئی ہو تو کم از کم کسی ایک موقع پر آپ ممانعت کو اس شرط کے ساتھ ضرور مشروط فرماتے، اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ تصویر کی ممانعت کا حکم آپ نے بارہا سنایا، لیکن کبھی ایک مرتبہ بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں دیا کہ اس حکم کی علت شرک یا بت پرستی کا خیال ہے، اس کے بجائے آپ نے متعدد احادیث میں اس ممانعت کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، (ملاحظہ ہو اس فیصلے کے پیراگراف نمبر ۱۰ میں حدیث نمبر ۱، ۳، ۶، ۷، ۹) اور حد تو یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب

آپؐ نے بیت اللہ شریف کی اندرونی دیواروں پر بنی ہوئی تصویروں کو پانی سے دھو کر مٹایا تو اس وقت بھی تصویروں کی ممانعت کی وجہ یہ نہیں بیان فرمائی کہ اس کی پرستش کی جاتی تھی، بلکہ حضرت اُسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ:

قاتل اللہ قوما یصوّرون مالا یخلقون۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہلاک کرے جو ایسی چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں جن کو پیدا نہیں کر سکتے۔

(مسند أبوداؤد طیالسی، حدیث نمبر ۶۲۳ ص ۸۷ ج ۲)

اس کے علاوہ حدیث نمبر ۹ میں آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے لٹکائے ہوئے باتصویر پردہ پر جو ناراضگی کا اظہار فرمایا، ظاہر ہے کہ اس میں دُور دُور تک اس بات کا احتمال نہیں تھا کہ وہ پردہ حضرت عائشہؓ نے (معاذاللہ) پرستش کی غرض سے لٹکایا ہے، یا اس پر ایسی چیز کی تصویر ہے جو پرستش کے کام آتی ہے، اس کے باوجود آپؐ نے اسے اتار کر پھاڑ دیا، اس سے صاف واضح ہے کہ ممانعت بُت پرستی کی نیت کے ساتھ مشروط نہیں تھی۔

نیز حدیث نمبر ۱۳ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو باقاعدہ اس مہم پر روانہ فرمایا کہ وہ ہر قسم کی تصویر کو مٹا ڈالیں، اس موقع پر بھی آپؐ نے اس قسم کی کوئی قید نہیں لگائی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں بت پرستی کا بالکل خاتمہ ہو چکا تھا، اس لئے اس موقع پر جن تصویروں کے مٹانے کا حکم دیا گیا، ان میں سے شاید کسی ایک تصویر کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مشرکانہ نوعیت کی تھی۔

۱۴۔ ایک نقطۂ نظر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ جن احادیث میں تصویر کی ممانعت آئی ہے، وہ ابتدائی اسلام سے متعلق ہے، اہلِ عرب چونکہ بت پرستی کے عادی رہے تھے، اس لئے شروع میں اس بات کا خطرہ تھا کہ اسلام لانے کے بعد بھی تصویروں کا وجود رفتہ رفتہ پھر اسی پرانے مشغلے تک لے جائے، اس لئے تصویروں کی قطعی ممانعت کر دی گئی تھی، لیکن جب اسلامی مزاج اور مذاق لوگوں کے رگ و پے میں سرایت کر گیا، اور بُت پرستی کا کوئی خطرہ نہ رہا، تو ممانعت کا یہ حکم بھی باقی نہ رہا۔ وفاقی شرعی عدالت کے زیر اپیل فیصلے میں بھی اسی نقطۂ نظر پر انحصار کیا گیا ہے۔

لیکن اس نقطۂ نظر سے بھی اتفاق ممکن نظر نہیں آتا، بیشک اسلام کے بہت سے احکام ایسے ہیں جو ابتدائی دَور کے لئے تھے، بعد میں باقی نہیں رہے، لیکن یہ بات اس وقت کہی جا سکتی ہے جب ابتدائی دَور کے احکام کو ختم یا منسوخ کرنے کے لئے اسی قوت کے ساتھ دوسرے احکام قرآن کریم یا حدیث میں آگئے ہوں، جن کو پہلے احکام کا ناسخ قرار دیا جا سکے، لیکن تصویر کا معاملہ بالکل مختلف ہے، یہاں از اوّل تا آخر تمام احادیث ممانعت ہی پر دلالت کرتی ہیں، اور کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس میں تصویر کو جائز قرار دیا گیا ہو۔

۱۵۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی اسلام میں قبروں پر جانے سے منع فرمایا تھا، لیکن کچھ عرصہ بعد وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ:

کنت نھیتکم عن زیادۃ القبور، ألا فزوروھا۔

میں نے تم کو پہلے قبروں پر جانے سے منع کیا تھا، لیکن اب خوب سُن لو کہ تم قبروں پر جاسکتے ہو۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، حدیث ۱۰۵ و ۱۰۸)

۱۶۔ نیز آپ نے ابتدا میں شراب کی نفرت دل میں بٹھانے کے لئے ان تمام برتنوں کے استعمال سے منع فرمادیا تھا جو شراب نوشی میں استعمال ہوتے تھے، لیکن بعد میں جب شراب کی نفرت دلوں میں پیوست ہوگئی تو آپ نے وضاحت کے ساتھ فرمادیا کہ:

کنت نھیتکم عن الأشربۃ فی ظروف الأدم، فاشربوا فی کل وعاء غیر أن لا تشربوا مسکرا۔

میں نے تمھیں چمڑے کے برتنوں کے سوا ہر دوسرے برتن میں شربت پینے سے منع کیا تھا، لیکن اب تم ہر برتن میں پی سکتے ہو، البتہ کوئی نشہ آور چیز نہ ہو۔

(صحیح مسلم، کتاب الأشربۃ ص ۱۶۷ ج ۲)

۱۷۔ لیکن تصویر کے معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی بات کبھی ارشاد نہیں فرمائی جس سے سابقہ ممانعت کو منسُوخ کرنے پر دلالت ہوتی ہو، اگر تصویر کی ممانعت کا حکم بھی صرف ابتدائی دَور کے ساتھ مخصوص ہوتا تو آپ یقیناً کسی مرحلے پر واضح طور پر اس ممانعت کے خاتمے کا اسی وضاحت کے ساتھ اعلان فرماتے جس وضاحت کیساتھ شراب کے برتنوں وغیرہ کے معاملے میں آپ نے اعلان فرمایا، پورے ذخیرہ حدیث میں صرف ایک حدیث وہ پیش کی جاتی ہے جس میں "إلا رقماً فی ثوب" کے الفاظ کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے پر بنے ہوئے نقوش کی اجازت دی ہے، لیکن اول تو یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ یہ حدیث بھی اصلاً تصویر کی اجازت کے لئے نہیں، بلکہ ممانعت بیان کرنے کے لئے ارشاد فرمائی گئی تھی، البتہ اس میں صرف "کپڑوں کے نقوش" کا استثناء کیا گیا تھا، اگر اس حدیث کے ذریعے ممانعت کا حکم منسُوخ کرنا ہوتا تو اس حدیث کا آغاز ممانعت ہی سے کیوں ہوتا؟

۱۸۔ دوسرے ہم پیراگراف نمبر ۱۲ میں دلائل کے ساتھ یہ قرار دے چکے ہیں کہ اس استثناء سے صرف بے جان اشیاء کے نقوش کو ممانعت سے خارج کرنا مقصود تھا، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایک درجن سے زائد حدیثوں میں ممانعت کا جو حکم پوری تاکید اور وضاحت کے ساتھ آیا ہے وہ "کپڑوں کے نقوش" کے اس استثناء کی بنیاد پر منسُوخ ہوگیا ہے۔ تیسرے یہ بات محتاج دلیل نہیں کہ کسی حکم کو منسوخ اسی وقت کہا جاسکتا ہے جب ناسخ اور منسوخ دونوں کی تاریخ معلوم ہو، اور یہ بات معلوم ہو کہ ناسخ تاریخی اعتبار سے

موخر ہے، اور یہاں "کپڑوں کے نقوش" والی حدیث کی تاریخ معلوم نہیں ہے۔

۱۹۔ پھر سوال یہ ہے کہ تصویر کی ممانعت کا جو حکم بار بار پوری تاکید اور وثوق کے ساتھ ایک درجن سے زائد احادیث میں دیا گیا تھا، اس کو کس نے اور کب منسوخ کیا؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں منسوخ ہوگیا تھا تو آپ کی کوئی واضح حدیث ایسی ملنی چاہیئے جس کو ناسخ کہا جاسکے، اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ آپ کے بعد منسوخ ہوا تو سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو آپ کے سوا کون منسوخ کرسکتا ہے؟ — یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے کہ قرآن کریم یا سُنّت کا کوئی حکم محض قیاسات اور مفروضات کے ذریعے منسوخ نہیں ہوسکتا، ورنہ قرآن وسنت کے ہر حکم کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس حکم کا اصل فلسفہ یہ تھا، اور اب یہ حکم منسوخ ہے، مثلاً کہا جاسکتا ہے کہ خنزیر کی حرمت اس لئے تھی کہ اس دور میں خنزیر میلے کچیلے اور گندے رہا کرتے تھے، اور آج چونکہ ان کو صاف ستھرا رکھنے کا انتظام کیا جاتا ہے، اس لئے اب یہ حکم باقی نہیں ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کے قیاسات کی بناء پر قرآن وسنت کے کسی واضح حکم کو منسوخ قرار نہیں دیا جاسکتا، تا وقتیکہ قرآن وسنت ہی میں کوئی ناسخ حکم موجود نہ ہو۔

چنانچہ شافعی مسلک کے مشہور عالم علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۰۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

ولقد أبعد غاية البعد من قال إن ذالك محمول على الكراهة، وأن هذا التشديد كان فى ذالك الزمان لقرب العهد بعبادة الأوثان، وهذا الزمان حيث انتشر الإسلام وتمهدت قواعده لا يساويه فى هذا المعنى، فلا يساويه فى هذا التشديد، ...... وهذا عندنا باطل قطعا، لأنه قد ورد فى الأحاديث الأخبار عن أمر الآخرة بعذاب المصورين فإنهم يقال لهم: أحيوا ما خلقتم، وهذا علة مخالفة لما قاله هذا القائل، وقد صرح بذالك فى قوله عليه السلام "المشبهون بخلق الله" وهذه علة عامة مستقلة مناسبة لا تخص زمانا دون زمان، وليس لنا أن نتصرف فى النصوص المتظاهرة المتظافرة بمعنى خيالى يمكن أن لا يكون هو المراد مع اقتضاء اللفظ التعليل بغيره، وهو التشبيه بخلق الله۔

اور ان لوگوں کی بات انتہائی دور از کار ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تصویر کی ممانعت

(معمولی قسم کی) کی ناپسندیدگی پر محمول ہے، اور یہ کہ تصویر کے احکام میں یہ سختی اس زمانے میں اس لئے تھی کہ بت پرستی کا دَور قریب تھا، اور یہ زمانہ جبکہ اسلام پھیل چکا، اور اس کے اصول راسخ ہوگئے، اس معاملے میں اس دَور کے برابر نہیں ہوسکتا، لہٰذا اب ویسی سختی بھی نہیں ہونی چاہیئے، ...... یہ خیال ہمارے نزدیک قطعی طور پر باطل ہے، اس لئے کہ احادیث میں آخرت کے بارے میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ مصوروں کو یہ کہکر عذاب دیا جائیگا کہ جو کچھ تم نے پیدا کیا ہے اسے زندہ کرو، لہٰذا ان احادیث میں جو علّت بیان کی گئی ہے وہ مذکورہ علّت کے بالکل منافی ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصوروں کو اللہ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے والا قرار دیا ہے، اور یہ علت عام بھی ہے، مستقل بھی، ممانعت کے حکم کے مناسب بھی، اور یہ کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں، اور ہمیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ (تصویر کی ممانعت کے بارے میں) اس زبردست کثرت سے جو احادیث آئی ہیں ان کو ایسی خیالی بات کا پابند کردیں جس کے بارے میں امکان اس کا ہے کہ وہ مراد نہ ہو، بالخصوص جبکہ ان احادیث کے الفاظ ایک دوسری علّت بیان کررہے ہیں، اور وہ ہے "اللہ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت"۔

(احکام الأحکام، شرح عمدۃ الأحکام لابن دقیق العید، ص ۱۷۲، ج ۱، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۱)

علامہ ابن دقیق العیدؒ کی یہ دلیل نہایت مضبوط، معقول اور قرآن و سنّت کی تشریح و تعبیر کے مسلّم اُصولوں کے عین مطابق ہے، لہٰذا تصویر کی ممانعت کے منسوخ ہونے کا نظریہ ہمارے نزدیک قابلِ تسلیم نہیں۔

۲۰۔ بعض حضرات اس بات کو دوسرے اسلوب میں اس طرح کہتے ہیں کہ یہاں کسی حکم کے منسوخ ہونے کا سوال نہیں، بلکہ در اصل تصویر کی ممانعت کی علت "بت پرستی کا خطرہ" تھی، یہ ممانعت اسی علت کے ساتھ وابستہ تھی، جب یہ علّت ختم ہوگئی تو حکم خود بخود ختم ہوگیا ــــــ لیکن یہ بات بھی کئی وجوہ سے قابلِ تسلیم نہیں، اول تو اس لئے کہ اگر بالفرض یہ علّت تسلیم بھی کرلی جائے تو یہ کون کہہ سکتا ہے کہ "بُت پرستی کا خطرہ" دُنیا سے ختم ہوچکا ہے، کیا اب بھی دُنیا کی آبادی کا شاید اکثر حصہ بت پرستی میں مُبتلا نہیں ہے؟ دوسرے قرآن و حدیث کے کسی حکم کی علت نکالنے کے لئے کوئی بنیاد خود قرآن و حدیث میں ہی ہونی چاہیئے، اور یہ بنیاد یہاں نہ صرف مفقود ہے، بلکہ اس کے خلاف حدیث میں دوسری علت بیان کی گئی ہے، جیسا کہ علامہ ابن دقیق العیدؒ نے مذکورہ بالا اقتباس میں بیان فرمایا ہے، تیسرے قرآن و حدیث کے احکام کی علت کبھی ایسی مجمل اور مشتبہ نہیں ہوا کرتی کہ اس کو جب کوئی شخص چاہے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرلے، اگر "بت پرستی کا خطرہ" ہی تصویر کی ممانعت کی اصل علت تھی،

تو اول تو قرآن و حدیث کو اس علت کی نشان دہی کرنی چاہیئے تھی، اس کے علاوہ یہ بتانا چاہیئے تھا کہ اس بات کا فیصلہ کون کریگا کہ "بت پرستی کا خطرہ" اب باقی ہے یا نہیں؟ بظاہر صحابہ کرامؓ میں بت پرستی کا خطرہ اس دن ہی ختم ہوگیا تھا جب آپؐ نے مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست قائم فرمادی تھی، اور خود غیر مسلموں کو اس بات کا اعتراف تھا کہ جو شخص ایک مرتبہ کلمۂ توحید پڑھ لیتا ہے، وہ آگ میں کودنا گوارہ کرلیتا ہے لیکن واپس بت پرستی کی طرف لوٹنا گوارہ نہیں کرتا، لہٰذا ایسے جان نثار صحابہ کرامؓ سے زیادہ کس کے بارے میں یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ وہ بُت پرستی کو اختیار نہیں کرینگے، اس کے باوجود آپؐ نے مرض وفات تک تصویروں کے استعمال کی اجازت نہیں دی، اب سوال یہ ہے کہ وہ مرحلہ کونسا ہے جب پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہا جاسکے کہ فلاں تاریخ سے چونکہ بت پرستی کا خطرہ ختم ہوگیا، اس لئے یہ حکم بھی ختم ہوگیا؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ کونسی اتھارٹی ہے، جو یہ فیصلہ کرسکے کہ اب بت پرستی کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا ہے، لہٰذا یہ حکم اب باقی نہیں، لہٰذا ایسی مجمل اور مشتبہ چیز کو محض خیالی مفروضات کی بنیاد پر کسی شرعی حکم کی علت قرار دینا ممکن نہیں۔

۲۱۔ اس کے برعکس احادیث سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں دو حکم الگ الگ ہیں، اور دونوں کی علتیں بھی جُدا ہیں، ایک ہے تصویر سازی، اس کی ممانعت کی وجہ حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، اگرچہ یوں تو پوری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن بے جان اشیاء میں ظاہری طور پر انسانی کوشش کا بھی دخل ہوتا ہے، وہ عمارتیں بناتا ہے، زراعت کرتا ہے، اس کی پرورش کے لئے آبیاری کرتا ہے، لیکن جاندار اشیاء کی تخلیق میں انسان کا کوئی ظاہری دخل بھی نہیں، رحم مادر میں حیوانات کی صورت گری اور اس میں رُوح پھونکنا ایسی چیز ہے جس میں انسان کی ظاہری کوشش کا بھی کوئی دخل نہیں، اس لئے بے جان اشیاء کے برخلاف جاندار اشیاء میں اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کے ساتھ مشابہت اتنی واضح ہے کہ حدیث میں تصویر سازی کی ممانعت کی علت اس کو قرار دیا گیا ہے۔

۲۲۔ دوسری چیز ہے پہلے سے بنی ہوئی تصویر کا استعمال، اس کی ممانعت کی علت اگرچہ احادیث میں صراحۃً تو بیان نہیں کی گئی لیکن احادیث کے مجموعے سے اس کی جو علت معلوم ہوتی ہے وہ ایک ایسی چیز کا باعزت استعمال ہے جو بت پرستی میں استعمال ہوتی ہے اور جس سے بت پرستوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پردے پر تصویر کو گوارہ نہیں کیا، کیونکہ یہ بت پرستی میں استعمال ہونے والی چیز کا باعزت استعمال تھا، لیکن بچھائے جانے والے گدے اور تکیے پر آپؐ نے اس کو گوارہ فرمالیا، اسی لئے فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی باتصویر چیز پامال جگہ پر ہو تو اس کے استعمال کی اجازت ہے، اسی طرح تصویر اگر اتنی چھوٹی ہو کہ اس کا ذرا فاصلے سے نظر آنا مشکل ہو تو اس کا استعمال بھی جائز ہے، چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ انگوٹھی پر بنی ہوئی چھوٹی سی تصویر کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

لان هذا الصغير عن البصير، ولا يرى عند النظر إليه من بعيد
وإنما يكره عن ذالك ما يرى من بعيد، ثم معنى التعظيم

والتشبه بمن يعبد الصورة لا يحصل في استعماله۔

اس لئے کہ تصویر دیکھنے میں چھوٹی سی ہوتی ہے، اور فاصلے سے دیکھنے میں نظر نہیں آتی، اور تصویر وہ ناجائز ہے جو فاصلے سے نظر آئے، اس کے علاوہ اس انگوٹھی کے استعمال میں تصویر کا باعزت استعمال اور تصویر پرستوں سے مشابہت نہیں پائی جاتی۔

(شرح السیر الکبیر ص ۲۱۲ ج ۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویر کے استعمال کی ممانعت کی علت "بت پرستی میں کام آنے والی چیز کا باعزت استعمال" ہے، چونکہ اسلام توحید کے معاملے میں انتہائی حساس ہے، اس لئے اس نے صرف بت پرستی ہی کو منع نہیں کیا، بلکہ بت پرستی کی ادنیٰ مشابہت سے بھی اپنے پیروؤں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے، اور تصویر چونکہ بت پرستی کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اس لئے اس کو صرف اسی وقت ناجائز قرار نہیں دیا جب وہ بُت پرستی کی نیت سے بنائی یا رکھی جائے، یا اس کے بت پرستی میں استعمال ہونے کا خطرہ ہو، بلکہ دوسرے مقاصد کے لئے بھی اس کے باعزت استعمال سے منع فرمادیا، اور یہ علت چونکہ دائمی ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہمیشہ کے لئے ناجائز قرار دیا ہے، اور اس ممانعت کو کسی وقت یا زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا، لہٰذا یہ خیال بھی درست نہیں ہے کہ تصویر کی ممانعت کی علت اب باقی نہیں رہی، اس لئے اب وہ جائز ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تصویر کے استعمال کی جو صورتیں اس علت سے باہر تھیں، وہ عہد رسالت اور عہد صحابہؓ میں بھی جائز تھیں، اور جو صورتیں اس علت کے تحت آتی ہیں، وہ جس طرح پہلے ناجائز تھیں، اسی طرح آج بھی ناجائز ہیں۔

۲۳۔ جناب ریاض الحسن گیلانی صاحب نے ایک نقطۂ نظر یہ بھی پیش کیا کہ جن احادیث میں تصویر سے منع کیا گیا ہے، ان میں تصویر کو کلی طور پر ناجائز قرار دینا مقصود نہیں، بلکہ ناپسندیدگی کا اظہار مقصود ہے جس کا حاصل یہ ہے تصویر بنانا یا رکھنا زہد و تقویٰ کے منافی ہے۔

اس نقطۂ نظر کی تائید میں انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ احادیث میں حضرت عائشہؓ کے باتصویر پردہ کا ذکر بار بار آیا ہے، اگر یہ ممانعت قطعی اور ناقابل برداشت نوعیت کی ہوتی تو ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمادینے کے بعد حضرت عائشہؓ دوبارہ باتصویر چیز استعمال کے لئے گھر میں نہ لاتیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت معمولی کراہت اور خلاف زہد ہونے کی حد تک محدود تھی، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باتصویر پردے کو دیکھ کر فرمایا:

یا عائشہ حولیہ، فانی کلما دخلت فرأیتہ ذکرت الدنیا،

عائشہ! اس کو ہٹادو، اس لئے کہ میں جب بھی داخل ہوکر اس کو دیکھتا ہوں تو مجھے دُنیا یاد آجاتی ہے۔ (صحیح مسلم ص ۲۰۰ ج ۲ و سنن نسائی ص ۲۹۷ ج ۲)

۲۴۔ جناب گیلانی صاحب کی اس دلیل پر غور کرنے کے لئے ہمیں وہ تمام روایات سامنے رکھنی ہونگی جو اس معاملے میں حضرت عائشہؓ سے منسوب ہیں، چنانچہ ہم پہلے ان مختلف روایات کو یکجا ذکر کرتے ہیں، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ حضرت عائشہؓ کی طرف سے باتصویر پردے یا گدّے کا واقعہ کتنی مرتبہ پیش آیا ہے؟ اور ہر مرتبہ واقعہ کا پس منظر کیا ہے؟ روایات یہ ہیں:

سفیانؒ کہتے ہیں کہ: سمعت عبدالرحمن بن قاسم، وما بالمدینة یومئذ افضل منه، قال سمعت أبي قال سمعت عائشه رضی اللہ عنہا: قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سفر، وقد سترت سهوة لي بقرام فيه تماثيل، فلما رأه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هتكه، وقال أشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله، قالت: فقطعنا فجعلناه وسادة أو وسادتين۔

میں نے عبدالرحمن بن قاسمؒ کو یہ کہتے ہوئے سُنا جبکہ مدینہ میں اس وقت ان سے زیادہ افضل شخص کوئی نہ تھا، کہ میں نے اپنے والد (قاسم بن محمد) کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عائشہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے، میں نے اپنی ایک کوٹھری کے دروازے پر ایک پردہ ڈال دیا تھا، جس میں تصویریں تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو اسے اُتار ڈالا، اور فرمایا: قیامت کے دن جن لوگوں کو شدید ترین عذاب ہوگا، ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کی تخلیق سے مشابہت پیدا کرتے ہیں، چنانچہ ہم نے اس پردے کو کاٹ کر اس کے ایک یا دو تکیے بنالئے۔

(صحیح بخاری، باب ما وطئ من التصاویر، وصحیح مسلم ص ۲۰۱ ج ۲)

آئندہ اس روایت کو اس فیصلے میں روایت نمبر ایک کہا جائیگا۔

(۲) عن هشام عن أبيه عن عائشةؓ قالت: قدم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من سفر، وقد سترت على بابي درنوكا فيه الخيل ذوات الأجنحة فأمرني فنزعته۔

ہشام بن عروہ اپنے والد (عروہ بن زبیر) سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے، میں نے اپنے دروازے پر ایک جھالردار پردہ لٹکایا ہوا تھا، جس میں پروں والے گھوڑے کی تصویریں تھیں، آپؐ نے مجھے حکم دیا تو میں نے اسے اُتار دیا۔

(صحیح مسلم ص ۲۰۰ ج ۲)

آئندہ اس فیصلے میں اس روایت کو روایت نمبر۲ کہا جائیگا۔

(۳) عن سعید بن هشام، عن عائشة رضی الله عنها، قالت: كان لنا ستر فيه تماثيل طائر، وكان الداخل إذ دخل استقبله، فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم حولي هذا، فإني كلما دخلت، فرأيته ذكرت الدنيا۔

حضرت سعد بن ہشام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ہمارا ایک پردہ تھا جس پر ایک پرندے کی تصویر تھی، جب اندر آنے والا اندر آتا تو یہ پردہ اس کے سامنے پڑتا تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کہ اس کو ہٹادو، کیونکہ جب میں اندر داخل ہوتا ہوں اور اسے دیکھتا ہوں تو مجھے دنیا یاد آجاتی ہے۔

(صحیح مسلم ص ۲۰۰ ج ۲)

آئندہ اس فیصلے میں اس روایت کو روایت نمبر۳ کہا جائیگا۔

(۴) حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:۔

رأيته خرج في غزاته، فأخذت نمطا، فسترته على الباب، فلما قدم فرأى النمط عرفت الكراهية في وجهه، فجذبه حتى هتكه، أو قطعه، وقال: إن الله لم يأمرنا أن نكسو الحجارة والطين، قالت: فقطعنا منه وسادتين فقطعناه۔ ؟ وجعلنا منه، وحشوتهما ليفا، فلم يعب ذالك علي۔

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک غزوے میں تشریف لے گئے تھے، میں نے ایک پردہ لیکر اسے دروازے پر ڈال دیا، جب آپ تشریف لائے، اور وہ پردہ دیکھا تو میں نے آپ کے چہرے پر ناگواری محسوس کی، آپ نے اسے کھینچ کر اتار دیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس بات کا حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں اور مٹی کو لباس پہنائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم نے اسے کاٹ کر دو تکیے بنالئے، اور اس میں کھجور کی چھال بھرلی، تو آپ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔

(صحیح مسلم ص ۲۰۰ ج ۲)

آئندہ اس فیصلے میں اس روایت کو روایت نمبر۴ کہا جائیگا۔

(جاری)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی

مجالس

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب

خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت تھانوی قدس اللہ سرہ

شرعی سزائیں

خدا کی ناراضگی سے وبال آنا

حافظ ابن قیم آٹھویں صدی ہجری کے ایک بڑے عالم ہیں، انہوں نے ایک بات کہی ہے بہت اہم ہے فرمایا:۔ "انسان جو گناہ کرتا ہے ظاہر ہے کہ اس سے اللہ کی ناراضگی آتی ہے اور اس پر اس کا وبال پڑنا ضروری ہے ایک معمولی آقا جب غلام سے ناراض ہو جائے تو غلام کو کیا کیا سزا اٹھانا پڑتی ہے۔ شریعت نے جو سزائیں جرائم کی مقرر کی ہیں، چوری، زنا، بہتان، شراب یا اسی طرح اور سزائیں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں بڑی بڑی سخت سزائیں ہیں۔ آجکل کے وحشی "نعوذ باللہ!" ان کو وحشیانہ بھی بکتے ہیں۔ اسلام میں در حقیقت سزائیں سخت ہیں اور مجرم کو جب تک سزا سخت نہ ہو، اس سے گناہ کرنے سے کیسے بچے اور عبرت کیسے حاصل ہو؟ اگر سزا ایسی ہو تو پھر سزا کیا خاک ہوئی؟

علی گڑھ کالج کی مسجد

مجھے یاد آیا کہ علی گڑھ کالج کی مسجد نہایت شاندار تھی۔ جماعت میں چار، پانچ آدمی تھے، میں نے کہا اتنی بڑی مسجد اور مسلم یونیورسٹی۔ طلباء تو الگ سینکڑوں اساتذہ بھی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ نمازی کم ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ نماز کی تو یہاں سختی ہے حاضری ہوتی ہے۔ لیکن غیر حاضری پر چار آنہ فی نماز سزا ہے اس لئے نوابوں کے لڑکے ہیں سزا کی مجموعی رقم جمع کروا دینا ان کے لئے آسان ہے۔

ملک سعود کسی ہوٹل میں امریکہ میں گئے تھے۔ پوچھا کہ آپ کے یہاں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا کتنی سخت ہے جواب دیا

کر امریکن کے علاوہ کوئی پوچھتا تو جواب دیتا - امریکن نے تو بیحد وشمار سینکڑوں انسان، جانور ہلاک کر دیئے صرف ایک بم سے وہ بھی خدا کی مرضی کے خلاف نہیں اپنی مرضی کے خلاف ہونے پر - تو وہ شخص کیا جواب کے قابل ہے - کوئی اور پوچھتا تو جواب دیتا کہ جو شخص چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹنا مناسب ہے یا نہیں؟

شرعی سزاؤں کا فائدہ

ابن القیمؒ نے فرمایا کہ جس ملک میں یہ شرعی سزائیں جاری ہیں - وہاں یہ جرائم بند ہو جاتے ہیں اور جہاں سستی ہے وہاں بڑھ جائیں گے - چنانچہ سعودی عرب میں اب کچھ ڈھیل شرعی احکام کی سزاؤں میں ہو گئی ہے تو دیکھ لو کہ جرائم پہلے بالکل بند تھے اب نہیں ہیں -

چنانچہ ایک حاجی کا واقعہ ابھی کا ہے کہ ۲۶ ہزار ریال چوری ہو گئے - دوسرے روز وہ تھیلا پولیس نے اس کو دیدیا - آج امریکہ اور لندن کی سچائی کے گیت گائے جاتے ہیں کوئی مثال ان کے یہاں ۲۶ ہزار ڈالر کی دکھا دو کہ چوری ہو جائیں اور مل جائیں - ہاں! خسیس چوریاں دو آنہ، چار آنہ کی نہیں کرتے - وہ ہوشیار چالاک چور ہیں یہ نادان ہیں -

غرض جتنی سخت سزائیں ہوں اتنے ہی جرم کم ہوں گے - ہمارے یہاں ایک چور مشہور تھا ہمیشہ جیل خانہ میں رہتا تھا - جہاں نکلا ایک چوری کی پھر چلا گیا - جب جیل سے نکلتا تو ساتھیوں سے کہتا کہ میں جلد آؤں گا - یہ سزائیں ہیں؟ کہیں ان سزاؤں سے چوریاں رکتی ہیں؟ ہاں! سرِ بازار کسی کے درّے لگاؤ، مجال ہے آئندہ وہ جرم ہو جائے -

آج دنیا جرائم بند کرنے کے لئے لاکھوں روپیہ صرف کرتی ہے لیکن جرائم بند نہیں ہوتے - بند کہاں سے ہوں؟ جب سزائیں ایسی سہل ہیں کہ ہر شخص کو ہمت ہو جاتی ہے چنانچہ آج مکھی، مچھر کی طرح قتل ہو رہے ہیں اس وجہ سے کہ یا تو سزائیں موجود نہیں - یا ہیں تو رشوت کے بل پر وہ سزائیں ملتی نہیں - ابھی انگریزی راج میں ایک چھوٹے سے چھوٹے گاؤں کے چھوٹے سے چھوٹے پیشہ در چمار کو کسی نے ایسی جگہ قتل کر دیا - جہاں ریل بھی نہ جاتی ہو، ایک ہفتہ مسلسل بڑے بڑے افسر روزانہ اس جگہ جاتے، تفتیش کرتے - نتیجہ یہ کہ قاتل کا پتہ لگ گیا اور سارے علاقہ کو عبرت ہو گئی - اسلام کی سزائیں نہایت حکیمانہ ہیں اور اس کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ جس ملک میں یہ جاری کی جائیں اس میں جرائم نہیں ہوں گے -

شرعی سزائیں اسلئے ہیں کہ قہر خدا نازل نہ ہو -

ابن القیم کہتے ہیں کہ یہ سزائیں جو اللہ پاک اپنے مجرم کو دیں گے ان سے بہت کم ہیں - اللہ کو قدرت ہے کہ وہ اپنے مجرم کو خود سزا دیں - لیکن یہ اسلئے رکھدی ہیں کہ اللہ کا قہر نازل نہ ہو اور سارا ملک نہ بچ جائے - اس کے وبال سے - ورنہ ایک چوری کرے اور ساری بستی اس کے عذاب میں مبتلا ہو جائے تو اللہ پاک اس پر بھی قادر ہیں مگر وہ بڑے رحیم ہیں اس لئے چاہتے ہیں کہ صرف مجرم کو سزا ملے اور وہ بھی تحقیقات کے بعد

اتنی رحمتیں اللہ پاک کی کہ ایک مجرم کی سزا سے ساری قوم کو اکسی عذاب سے بچا دیا۔ چونکہ وہ مجرم ہماری ہی قوم کا ہے، حدیث میں ہے کہ جب کسی قوم میں منکرات ہوں اور وہ لوگ اس کو منع نہ کریں تو ساری قوم اس کے وبال میں آجاتی ہے۔

شرعی سزائیں رحمت ہیں

فرمایا کہ ایک تو ان سزاؤں سے جرم رک جائیں گے، دوسرے یہ کہ تقدیری سزائیں یعنی دردناک عذاب سے اللہ پاک نجات دیدیں تو یہ سزائیں رحمت ہیں کہ آخرت کے عذاب سے بچے اور قدرتی سزاؤں کا کفارہ ہو گئیں یہ شرعی سزائیں۔ اور جہاں شرعی سزائیں جاری نہ ہوں وہاں اللہ پاک تمہارا انتظار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ خود اس کو سزا دیتے ہیں اور اللہ کی ہر چیز عظیم ہے ان کی سزا بھی عظیم ہے اس کے لئے وہ بھی اور ہر خاص و عام اس سزا میں شریک ہو جائیں گے اور پھر آخرت کی سزا نہ معلوم کیسی ہو؟ اللہ پاک محفوظ رکھیں۔ ان آسمانی سزاؤں میں ایک سخت مصیبت یہ ہے کہ اس مجرم پر ہی نہیں بلکہ ساری بستی پر آتی ہیں اور ظاہر ہے کہ عام عذاب بھی سخت ہوگا۔

ظاہری اور باطنی سزائیں

ابن القیمؒ نے سزاؤں کی تفصیل بتائی کہ اللہ کی طرف سے دو سزائیں آتی ہیں، باطنی اور ظاہری، باطنی تو یہ کہ انسان کے قلب کا سکون اور اطمینان جاتا رہے گا۔ کبھی بے فکری نصیب نہ ہوگی۔ جس ملک میں اللہ کا قانون جاری نہ ہوگا۔ وہاں امن، چین، سکون قلبی میسر نہ ہوگا۔ اب غور کر کے دیکھ لو۔ مشرق سے مغرب تک کون بے فکری اور سکون سے بیٹھا ہے۔ فقیر سے بادشاہ تک ہر شخص فکر، پریشانی میں مبتلا ہے۔

یہ دراصل اسی ایک جرم کی سزا ہے جو اس کے مجرم کو وہ نہ دی گئی اور ساری بستی اس کے وبال میں مبتلا ہو گئی پھر بیماریاں طرح طرح کی۔ بس وہ سزائیں اور عذاب بے آواز ہوتی ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں کہ اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہے۔

اور سزاروں کوششیں اس بات کی ہو رہی ہیں کہ پریشانیاں دور ہوں۔ سکون قلبی میسر ہو جائے مگر کہیں یہ نصیب نہیں۔ ارے! سکون قلب کا ساری دنیا میں کوئی وجود نہیں، سوائے اللہ کو راضی کرنے کے اور یہ عیش، آرام کوئی سکون نہیں کہ آج شراب کباب میں پڑے ہو۔ کل جیل اور مصیبت میں۔ جن کو بڑی ذمہ داریاں ہیں ان کی بڑی مشکلات ہیں۔

شاہجہاں کا واقعہ

شاہجہاں اپنی ملکہ کے پاس آئے۔ ملکہ نے کہا کہ آپ کو کیا حق ہے آرام کرنے کا۔ کتنی مخلوق خدا بے چین پریشان ہیں۔ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ تم کو کیا حق ہے آرام عیش کرنے کا۔ انہوں نے نورجہاں کی بات کا اس وقت کوئی جواب نہ دیا۔ باہر آ کر اپنے وزیر کو حکم دیا کہ وزیر مالیات کو جس حالت میں ہے فوراً اٹھا لاؤ۔

چند فرمانبردار حاضر ہوئے ۔ وزیر کپڑے اتار کر. کاغذات بکھرے پڑے ، گرمی کی وجہ سے پریشان ، سوچ فکر میں بیٹھا تھا ان کو پکڑ کر لے آئے ۔ بادشاہ نے پوچھا ۔ یہ تم کیسے پریشان ہو ؟ وزیر نے کہا یہ تو میں پریشان اس لئے ہوں کہ نہ معلوم مجھ سے کیا خطا ہوئی ، کیوں بلایا ہے ۔ مگر ایک پریشانی یہ تھی کہ میں مالیات جوڑ رہا تھا ۔ ایک بستی سے رقم آئی تھی ۔ اس میں کچھ رقم زیادہ تھی ۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ رقم اللہ کی برکت ہے یا کسی پر ظلم ہے ۔ جب میں یہاں لایا جارہا تھا تو مجھے یاد آیا کہ اس شہر کے دفتر کے جتنے تالے تھے پرانے وہ سب فروخت کر کے کچھ رقم آئی تھی ۔ اور یہ رقم اسی کی تھی اس سے مجھے اطمینان ہوا ——— نورجہاں سن رہی تھی ۔ اس نے بلا کر کہا ۔ شہنشاہ عالم ! اب آپ کو حق ہے جس کا وزیر اتنا ہوشمند ہو اس کو بے شک آرام کا حق ہے ۔ یہ وہ بادشاہ تھے جو مخلوقِ خدا کی اتنی دیکھ بھال کرتے تھے ۔

کراچی میں ایک دولتمند ہیں ، جن کے کئی ہزار روپیہ صرف آڈٹ میں جاتے ہیں ۔ میں نے اُن سے کہا کہ کیا تمہارے یہاں اتنے حساب ہونے کے باوجود چوریاں ہوتی ہیں ۔ انہوں نے کہا کہ بے شک ہوتی ہیں ۔ میں نے کہا پھر کیوں جان کھپاتے ہو اس میں اس نے کہا ان چوروں کو یہ معلوم ہے کہ حساب آڈٹ ہوتا ہے تو کچھ تو محتاط رہیں گے ۔ اب کتنے ہی محتاط ہوں مگر سائے فاروق اعظم تو ہو نہیں سکتے ۔ جو دُعا کرتے تھے کہ اے اللہ ! رعیت زیادہ ہوگئی ۔ میں نگرانی نہیں کر سکتا ان کے حقوق نہیں ادا ہو سکتے ۔ اب تو مجھے اٹھالے ۔ چنانچہ دُعا قبول ہوئی ۔ اور اسی عرصہ میں شہادت ہوئی ۔

تو ایک سزا اللہ پاک کی یہ ہے کہ سزاؤں کے نہ دینے سے جو لبتی پر عذاب آتے ہیں وہ ایک تو باطنی ہیں جیسے بے چینی اور تفکرات ۔ ان سے بچنے کا واحد علاج ہے ۔ سزائے شرعیہ ۔

عدل و انصاف کا نفع

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک پہاڑی پر کھڑے تھے ۔ زمین ہلی ۔ آپ نے قدم پتھر پر مارا ۔ فرمایا کہ کیوں ہلتی ہے میں موجود ہوں میں ظلم کر رہا ہوں ؟ پھر کیوں ہلتی ہے وہ پہاڑی خاموش ہوگئی ۔ دیکھا آپ نے وہ لوگ کتنے نبض شناس تھے ۔

بس آج جو یہ سیلاب ، زلزلے ، طوفان آرہے ہیں یہ ظاہری سزائیں ہیں ان جرائم کی جن پر سزائیں نہیں ملتی اب اگر ہم اس پر قادر نہ ہوں کہ سزائیں شرعی جاری کریں یا کرائیں تو کم از کم اللہ سے تو ڈریں کہ ایک شخص ظالم ہے ، شرابی ہے زانی ہے ہم اس کے ساتھ دوستی رکھیں اس کو برا بھی نہ کہیں تو پھر ہماری اللہ پاک سے اطاعت کس چیز کی ہے یہ ساری دقتیں ، پریشانیاں اسی بات کی ہیں ہم دوسروں کو اگر روک نہ سکیں تو کم از کم ایسے لوگوں سے پرہیز تو کریں ، ترک موالات تو کرلیں اللہ سے رجوع تو کرلیں ۔ توبہ کر کے اللہ سے مدد چاہیں پھر دیکھیں اللہ پاک کتنا رحم فرماتے ہیں ۔

مجلس یوم ۸ مئی ۶۶ء

ضروری اعلان

البلاغ کے اکثر قارئین کی خریداری ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ کے پرچے پر ختم ہو رہی ہے توقع ہے کہ وہ حضرات یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رکھیں گے۔ لہٰذا مہربانی فرما کر آئندہ سال کا چندہ مبلغ ۵۰ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں یا اجازت مرحمت فرما دیں کہ آپ کو وی پی کے ذریعہ پرچہ بھیج دیا جائے، وی پی کی صورت میں آپ پر ۵ روپے کا مزید بار پڑے گا اور دفتر کا کام بھی بڑھ جائے گا اور بعض اوقات وی پی واپس آجاتا ہے تو ادارہ خواہ مخواہ زیر بار ہوتا ہے۔ ذی الحجہ میں آپ کو بذریعہ ڈاک خطوط بھی روانہ کئے جائیں گے۔

خدانخواستہ آپ قطع تعلق فرمانا چاہیں تو عریضہ ہذا پہنچنے کے بعد ایک ہفتہ کے اندر اندر مطلع فرما دیں۔ عدم اطلاع کی صورت میں آئندہ پرچہ بذریعہ وی پی حاضر ہوگا جس کو حاصل کرنا اخلاقاً و دیانتاً آپ کا فرض ہوگا۔ اپنے مفصل پتے کے ساتھ

خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں۔

قارئین کے نام

ماہنامہ البلاغ اپنے قارئین سے التماس کرتا ہے کہ جن حضرات کو البلاغ کا شمارہ ڈاک کی گڑبڑ کی وجہ سے نہ مل سکے وہ حضرات برائے مہربانی اس ماہ کے آخیر تک دفتر میں اطلاع کر دیں۔ اطلاع ہر ماہ کی ۳۰ تاریخ تک آنی ضروری ہے اس کے بعد آنے والی شکایت کا ادارہ البلاغ متحمل نہ ہوگا۔ خط لکھتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر کریں اور خط پر تاریخ ضرور درج کریں۔ تبصرہ کے لئے آنے والی کتب کی تعداد چونکہ بہت زیادہ ہوتی ہے اس لئے ترتیب وار تبصرہ کیا جاتا ہے۔ برائے مہربانی بار بار تقاضے نہ کریں۔

ناظم البلاغ
شجاعت علی ہاشمی

ARFI JEWELLERS
عارفی جیولرز

ٹی وی وی سی آر

ایک شرعی جائزہ

قسط (۳)

بھارتی فلموں کے پاکستان منتقل ہونے کے حیرت انگیز طریقہ کار کو بتانے کے بعد مقالہ نگار لکھا ہے۔

"اس وقت جب کہ فلم بمبئی کے سینما گھروں میں ریلیز کرنے کی تیاریاں کی جارہی ہوتی ہیں اور کوئی بھارتی ہیروئن اس خوف سے سہمی ہوئی ہوتی ہے کہ معلوم نہیں شائقین اس کے ساتھ کیا سلوک کریں، اسلام آباد کے فلم بین اس کی پرفارمنس کو بھول کر چھ سات مزید فلمیں دیکھ چکے ہوتے ہیں کہ تقریباً ہر روز بھارت سے ایک فلم پاکستان پہنچتی ہے۔"

پورے ملک میں ویڈیو فلموں کے پھیلاؤ اور اس کی قانونی حیثیت پر تبصرہ کرتے ہوئے مقالہ نگار لکھتا ہے:

"ایک اندازے کے مطابق ملک بھر میں وڈیو فلموں پر دو سو کروڑ روپے کی سرمایہ کاری ہو چکی ہے اور ملک بھر میں ایک لاکھ سے زائد افراد کا روزگار اس سے وابستہ ہے، دو تین سال پہلے تک یہ خوف کسی نہ کسی حد تک موجود تھا کہ حکومت کسی وقت اس کاروبار کو غیر قانونی قرار دے سکتی ہے چنانچہ زیادہ محتاط لوگ اس کاروبار کی طرف آنے سے گریز کرتے تھے اب جبکہ یہ طرز زندگی بن چکا ہے اور حکومت ۸۵/۱۹۸۴ء کے بجٹ میں درآمدی ٹیکسوں میں کمی کرکے اور لائسنس جاری کرکے وی سی آر کو قانونی حیثیت دے چکی ہے تو بھارتی اور انگریزی فلموں کی نمائش کے کاروبار کو بھی کسی واضح سرکاری یقین دہانی کے بغیر ہی قانونی سمجھ لیا گیا ہے۔"

آگے مقالہ نگار وڈیو فلموں کے گھناؤنے کاروبار پر حکومت کے بے محل سکوت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت کو پاکستانی ناظرین کے تازہ دم

بھارتی ایکٹرسوں کی جسمانی نمائش اور امیتابھ بچن کے جذباتی مکالموں کی دنیا میں گم رہنے پر قطعی کوئی اعتراض نہیں یا کم از کم بحالتِ مجبوری اس صورتحال سے سمجھوتہ کرلیا ہے۔ کچھ لوگوں کی رائے میں حکومت کھیلوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور ایسی تفریحات کی بھی جو مضطرب لوگوں کو خوابوں کی دنیا میں لے جائیں "۔

مقالہ نگار رائے عامہ معلوم کرنے کے سرکاری ادارے گیلپ کا سروے نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"پاکستان کے ایک سروے کے مطابق ۷ فیصد پاکستانی (ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ) وی سی آر پر فلمیں دیکھتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے صرف چار فیصد تقریباً ۳۶ لاکھ افراد باقاعدہ طور پر اس کے عادی ہیں، سروے کے مطابق شہروں میں ہر تیسرا پاکستانی اور دیہی علاقوں میں دس فیصد لوگ اس تفریح کے شائق ہیں، سب سے زیادہ کون لوگ وی سی آر دیکھتے ہیں؟ بے روزگار نوجوان ان کی چالیس فیصد تعداد اس کی عادی ہے کیونکہ یہ نسبتاً سستی، ان کی رائے میں کم نقصان دہ اور زیادہ دلکش تفریح ہے جس میں بہت سا وقت پریشانیوں کی اذیت کو بھلا کر گزارا جاسکتا ہے "۔

آگے خاص اسلام آباد کے بارے میں مقالہ نگار رقمطراز ہے،

"اسلام آباد کے پاکستانی اور غیر ملکی ناظرین کس طرح کی فلمیں دیکھنا پسند کرتے ہیں؟ جناح سپر مارکیٹ کی ۲۲ دکانوں سے حاصل کی جانے والی معلومات کے مطابق ۶۰ فیصد سے زیادہ گاہک انگریزی فلمیں دیکھتے ہیں۔ جی ۹/۴ کے علاقہ میں بھارتی فلموں کے ناظرین کی تعداد ۷۰ فیصد کے لگ بھگ ہے مجموعی طور پر پورے شہر میں انگریزی اور بھارتی فلموں کے ناظرین کی تعداد برابر برابر ہے "۔

مقالہ نگار آگے شہر میں نیلی فلموں کے کاروبار کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"کتنے لوگ ان فحش فلموں کے خریدار ہیں جنہیں عرفِ عام میں بلیو فلمیں کہا جاتا ہے 'اسلام آباد میں تقریباً ہر دوسرا فلم بین کبھی کبھار فحش فلم ضرور دیکھتا ہے۔ ایک معروف وڈیو سینٹر کے مالک نے بتایا اور بعض دوسری دکانوں سے حاصل کی جانے والی معلومات بھی اس تاثر کی تائید کرتی ہیں کہ نیم عریاں بھارتی فلموں کے شائقین رفتہ رفتہ اس طرف مائل ہوجاتے ہیں۔

کون لوگ اس طرح کی فلموں میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں (ایک دکاندار) نے کہا، زیادہ تر بوڑھے لوگ اور کمسن نوجوان ہوتے ہیں، چالیس سال سے زیادہ

اور بیس سال سے کم عمر لوگ، جب کوئی نوجوان اس خواہش کے ساتھ داخل ہوتا ہے تو اس کا رنگ پھیکا ہوتا ہے اور میں اسے دور سے پہچان لیتا ہوں۔

..... حیرت انگیز طور پر فحش فلموں کے شائقین میں خواتین کی تعداد نصف کے لگ بھگ ہے "یہ زیادہ تر کالجوں کی لڑکیاں ہوتی ہیں" جناح سپر مارکیٹ میں ایک وڈیو سینٹر کے کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے مینجر نے کھسر پھسر کے انداز میں بتایا۔ "وہ کبھی تنہا نہیں آتیں، عام طور پر تین چار لڑکیاں دکان میں ایک ساتھ ہوتی ہیں اور کسی جھجک کے بغیر نام لے کر کوئی فحش فلم طلب کرتی ہیں"۔

کتنے لوگ اپنے گاہکوں کو فحش فلمیں فراہم کر دیتے ہیں، مقالہ نگار اس سلسلہ میں لکھتا ہے:

"عام طور پر اس کا اعتراف کیا گیا کہ بہت سے لوگ کسی تامل کے بغیر اپنے گاہکوں کو ننگی فلمیں فراہم کرتے ہیں۔ جی نائن فور کے ایک دکاندار ــــ نے بتایا کہ یہ فلمیں نسبتاً زیادہ کرائے پر دی جاتی ہیں "دس روپے کے بجائے بیس روپے یا تیس روپے، جب کوئی محاسبہ کرنے والا نہ ہو، تو بہت سے لوگ ناروا کاموں پر آمادہ ہو جاتے ہیں"۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں دولت زیادہ تیزی کے ساتھ معیارِ عزت بنتی جا رہی ہے اور جہاں احتساب کے ادارے کمزور ہیں یا کرپٹ ہیں، شاید ایک آسانی سے سمجھ میں آنے والا تبصرہ ہے"۔

آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"جہاں تک اخلاق سوز فلموں کا تعلق ہے، ان کے بچوں پر اثرات کے بارے میں دو آراء موجود نہیں ہیں، مغربی معاشرے میں بھی ٹی وی پروگرام سے پہلے مطلع کیا جاتا ہے کہ یہ پروگرام بچے اپنے والدین کی اجازت سے دیکھیں، جبکہ ہمارے ہاں بچوں کی وڈیو سنٹروں سے مخرب الاخلاق فلموں کے حصول سے قبل کسی بھی قسم کی اجازت نہیں لینی پڑتی، محض دس یا بیس روپے کے عوض وہ کسی بھی طرح کی فلم حاصل کر سکتے ہیں۔

ماہر نفسیات ڈاکٹر خالدہ ترین کے تجزیہ کے مطابق اس طرح کی فلموں کے اثرات دو طرح کے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بچے جو کچھ دیکھتے ہیں، تجسس کی بناء پر تجربہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، دوسرا اثر بیماری کی صورت میں نمودار ہوتا ہے والدین ابتداء سے ہی جن باتوں کو بچوں کے لئے شجر ممنوعہ قرار دے دیتے ہیں، وہی باتیں جب بچوں تک کسی دوسرے ذریعہ سے کسی منفی انداز میں پہنچتی ہیں، تو بچہ "ہسٹریکل کنورژن ری ایکشن" کا شکار ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر خالدہ ترین کے خیال میں غلط انداز میں پہنچائی گئی اطلاع بچے کو اپنی شناخت کے بحران میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ احساسِ گناہ بچے

کو مزید نفسیاتی دباؤ کا شکار بنا دیتا ہے۔"

یہاں تک تو صرف پاکستان کے ایک شہر اسلام آباد کا حال عرض کیا گیا، ورنہ ماشاء اللہ سے پورے ملک کا حال یہ ہے کہ بقول سعید احمد صاحب!

"اس بات پر زیادہ بحث کی گنجائش نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں ہر چوک پر ایک وڈیو کی دکان موجود ہے، جہاں سے کسی بھی عمر کا بچہ ہر طرح کی فلم حاصل کر سکتا ہے ..... (اور) جنگ کے ایک سروے کے مطابق ہر وڈیو سنٹر پر کم از کم "ڈبل ایکس" فلمیں دستیاب ہیں۔ ان وڈیو کی دکانوں پر آنے والوں میں بچوں اور نوجوانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے ..... اس سروے کے مطابق چودہ سال سے لیکر تیس سال کی عمر تک کے لوگ "ڈبل ایکس" فلمیں طلب کرتے ہیں۔ بعض وڈیو سنٹروں کے مالکان نے گفتگو کے دوران بتایا کہ بعض اوقات چودہ سال سے کم کے بچے بھی مخرب اخلاق فلموں کا مطالبہ کرتے ہیں۔"

اپنے اسی مقالہ میں سعید احمد صاحب لکھتے ہیں:

"اخلاق سوز اور بلیو فلمیں مارکیٹ سے آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہیں، کئی ایک گھرانے ایسے ہیں کہ جہاں اس بات کا احساس کئے بغیر کہ گھر میں بچے بھی ہیں جوان کو دیکھ لیتے ہیں، ایسی فلمیں دیکھی جاتی ہیں۔" (جاری)

مجموعة قواعد الفقه
اس سے قبل یہ کتاب صرف پانچ رسائل کے ساتھ طبع ہوئی تھی۔
اب میر محمد کتب خانہ نے اپنے روایتی حسن طباعت و اضافات کے ساتھ کتاب کے آخر میں تین سو صفحات پر مشتمل مندرجہ ذیل دو نادر اور مفید رسائل شامل کرکے کتاب کی افادیت کو دوبالا کر دیا ہے۔ اب کتاب سات رسائل کا مفید مجموعہ ہے۔ کتاب کے شروع میں جناب مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب شیخ الحدیث جامعۃ العلوم اسلامیہ و حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب شیخ الحدیث و مہتمم الجامع الفاروقیہ اور جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم کراچی کی تقاریظ بھی شامل ہیں۔
وهي تحتوي على سبع رسائل
١- اصول الامام الكرخي : التي عليها مدار كتب ائمتنا الحنفية۔
٢- اصول المسائل الخلافية : للامام الدبوسي في كتابه "تاسيس النظر"
٣- القواعد الفقهية الشرعية المخرجة على مذهب الامام الاعظم المشتملة على مسائل كثيرة۔
٤- التعريفات الفقهية : وهي معجم لطيف يشرح الالفاظ المصطلح عليها عند الفقهاء الحنفية رحمهم الله تعالى۔
٥- ادب المفتي : مشتمل على رسم المفتي و آداب الافتاء و مسائله على مذهب الامام الاعظم رحمه الله تعالى۔
تاليف علامه مفتي عميم الاحسان المجددي بركتي رح
وقد أضاف إليها صاحب مكتبة مير محمد جزئين هامين لأرباب العلم والفقه والمتخصصين وألحقهما في آخر هذا الكتاب
٦- احدهما الفن الاول في القواعد الكلية من الاشباه والنظائر لابن نجيم المصري صاحب البحر
٧- وثانيهما قسم القواعد الكلية من المدخل الفقهي العام إلى الحقوق المدنية لمصطفى احمد الزرقاء استاذ القانون المدني والشريعة الاسلامية في كلية الحقوق بدمشق۔
قیمت ۹۲/- روپے
میر محمد، کتب خانہ آرام باغ کراچی
(تفصیلی فہرست مفت طلب فرمائیں)

البلاغ

محمد تقی عثمانی

سہ پہر کا تقریباً ڈیڑھ بجا ہوگا جب ہم میدانِ موتہ اور شہدائے موتہ کی زیارت سے فارغ ہوئے۔
اب ہم یہاں سے عمان کے راستے سیدھے دمشق جانا چاہتے تھے، لوگوں سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ عمان جانے کیلئے ایک اور راستہ نسبۃً مختصر بھی ہے، اور مرکزی شاہراہ ہونے کی وجہ سے زیادہ آباد بھی۔ لیکن اُس مرکزی شاہراہ تک پہنچنے کیلئے کافی دور تک ایک چھوٹی سڑک پر سفر کرنا پڑیگا، گاڑی میں پٹرول کم تھا، اور اندازہ نہیں تھا کہ کتنی دُور چلنے کے بعد پٹرول پمپ مہیا ہوسکے گا، اس لئے چاہا کہ مزار کی بستی ہی سے پٹرول ڈلوالیں، یوں بھی اردن کے زمینی راستوں کے نقشے پر یہ ہدایت درج تھی کہ چھوٹے راستوں پر پٹرول پمپ کم ہیں، اس لئے کسی لمبے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے گاڑی میں پٹرول کی کافی مقدار کا اطمینان کرلیا کریں۔

لیکن مزار کی بستی میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک تلاش کرنے کے باوجود کوئی پٹرول پمپ نہ ملا۔ بعض مقامی افراد کی رہنمائی سے ایک پٹرول پمپ تک پہنچے، لیکن وہ بند پڑا تھا، اور مالک کا سُراغ نہ مل سکا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ بچے کھچے پٹرول کے ساتھ ہی کسی طرح مرکزی شاہراہ تک پہنچنے کی کوشش کریں، اُس زمانے میں وہاں ڈھائی پونے تین بجے کے قریب عصر کی اذان ہوجاتی تھی، اس لئے دن ڈھلتا جا رہا تھا، ہم اندھیرے سے پہلے عمان پہنچنا چاہتے تھے۔

چنانچہ اللہ کے نام پر سفر شروع کیا، لیکن کچھ دُور چلنے کے بعد کار کی ایندھن کی سُوئی اختتام کے آخری نشان کو چھونے لگی، دوسری طرف ہمارے چاروں طرف ریگستان تھا، اور سڑک اتنی سُنسان کہ دُور تک کسی گاڑی کا نشان نظر نہیں آتا تھا، کبھی کوئی اکا دکا گاڑی آگے پیچھے سے گذر جاتی تھی، اور کچھ پتہ نہیں تھا کہ مرکزی شاہراہ کتنی دُور ہے، کسی بھی وقت گاڑی جواب دے سکتی تھی، اور جواب دیدیتی

تو اس لق ودق صحرا میں کوئی مدد ملنی مشکل تھی۔ تمام رفقا اس تصور سے خاموش بھی تھے اور کسی قدر متفکر بھی۔ انسان کی نگاہیں صبح وشام اسباب ہی پر لگی رہتی ہیں، اور وہ انہی اسباب کی تلاش میں دن رات سرگرداں رہتا ہے، اور یہ جاننے کے باوجود کہ یہ سارے اسباب کسی مُسبّب کے ہاتھ میں ہیں، وہ مُسبّب کے بجائے اسباب ہی سے لَو لگائے رکھتا ہے، لیکن جب کبھی ظاہری اسباب کے تمام راستے بند ہوجائیں، اور کوئی چارہ نہ رہے تو اُس وقت خدا ہی یاد آتا ہے، قرآن کریم نے انسان کی اسی کمزوری کو اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

وَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

اور جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اسی وقت اللہ کو پکارتے ہیں، اور اس وقت بندگی خالص اسی کیلئے کرتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہے کہ سلامتی کے ساتھ کسی پٹرول پمپ تک پہنچ جائیں، ایندھن کی سُوئی بہت دُور سے پٹرول ختم ہونے کا اشارہ دیتی آرہی تھی، لیکن گاڑی بفضلہٖ تعالیٰ پوری رفتار سے چلتی رہی، یہانتک کہ سُوئی کے "اختتام" کے نشان پر پہنچنے کے بعد معمولی حالات میں جتنا فاصلہ طے ہونے کی توقع ہوتی ہے، وہ بھی طے ہوگیا، لیکن گاڑی نہ رُکی، اب کسی بھی لمحے خطرہ پیش آسکتا تھا، اسی امید وبیم کے عالم میں کافی دیر بعد دور افق پر ایک سڑک کی لکیر نظر آئی جس پر دونوں طرف سے گاڑیاں دوڑ رہی تھیں۔ یہی وہ مرکزی شاہراہ تھی جس کا پتہ بتایا گیا تھا، دُعا درود کرتے کرتے بفضلہٖ تعالیٰ ہم اس شاہراہ پر پہنچ ہی گئے۔ اس شاہراہ پر کچھ دُور اور سفر کرنے کے بعد بائیں ہاتھ پر دو ریسٹورنٹ اور ایک پٹرول پمپ نظر آگیا، نمازِ عصر ادا کی، اس کے بعد بھوک اپنے شباب پر تھی۔ ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا۔ اردن اور شام میں کھانوں کی انواع واقسام بہت سی ہوتی ہیں، اُن میں سے بہت کم اپنے مُنہ کو لگتی ہیں، لیکن سیخ کے کباب (جنہیں یہاں "شیش کباب" کہا جاتا ہے) اور تکے (جنہیں یہاں "اوصال" کہتے ہیں) یہ لوگ بہت اچھے بناتے ہیں، وہی منگوائے گئے۔

ایک طویل، پُر مشقت اور پُر خطر سفر کے بعد ایسے صاف ستھرے اور پُر فضا ریسٹورنٹ میں عافیت کے یہ لمحات، اور ایسی بھوک کے عالم میں یہ لذیذ غذا ایک مُسافر کیلئے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت تھی۔ ہم دن رات ایسی عافیت اور ایسی راحت ولذت سے نہ جانے کتنی مرتبہ بہرہ اندوز ہوتے رہتے ہیں، مگر اکثر ان نعمتوں کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ جب کبھی خطرات سے گذرنے کے بعد یہ چیزیں میسر آتی ہیں، تب ان کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

کھانے کے بعد ہم نے دوبارہ سفر شروع کیا، جب عمّان کے مضافات میں پہنچے تو سورج کا سفینہ کنارے لگ رہا تھا، اور اس کی الوداعی کرنیں رات کی آمد کا پیغام دے رہی تھیں، ہمیں ابھی دمشق جانا تھا، معلوم ہوا کہ ایک سڑک عمّان کے باہر ہی باہر دمشق کی طرف جاتی ہے، اور شہر میں داخل ہونا نہیں پڑتا، ہم اسی سڑک پر ہولئے۔ یہ سڑک عمّان کی شمالی جانب میں ایک ہلالی نصف دائرہ بناتی

ہوئی اردن کے دوسرے اہم شہر زرقاء پہنچ گئی جو عمان کے قریب ہی آباد ہے، بلکہ اب دونوں شہروں کی آبادیاں بڑھتے بڑھتے یک جان ہوگئی ہیں۔ یہاں سڑک کے کنارے ایک مسجد "مسجد خالد بن الولیدؓ" میں ہم نے نماز مغرب ادا کی، اور سفر دوبارہ شروع کردیا۔ رات کے نو بجے کے قریب ہم اردن کی آخری سرحدی بستی رمثا پہنچے، جس کے بعد شام کا علاقہ شروع ہورہا ہے۔

دریائے اردن:

یہ واقعہ جنوری ۱۹۸۶ء کا ہے، اس کے بعد اسی سال اکتوبر میں مجمع الفقہ الاسلامی کا سالانہ اجلاس عمان میں منعقد ہوا۔ اس میں شرکت کیلئے مجھے دوبارہ عمان جانے کا موقع ملا۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس دوسرے سفر کی چند باتیں بھی ذکر کردینا مناسب ہے۔

اس مرتبہ عمان میں میرا قیام ایک ہفتہ رہا۔ لیکن مجمع کے اجلاسات کی مصروفیت اتنی تھی کہ کہیں اور جانے کا موقع بہت کم ملا، وہاں کے ایک معروف ہوٹل ریجنسی پیلس میں قیام کا انتظام تھا، اور اسی کے ایک ہال میں اجتماعات ہوتے تھے، لہٰذا صبح و شام ہوٹل ہی میں رہنا ہوتا تھا، البتہ اجلاس کے اختتام پر منتظمین نے ایک دن شرکاء اجتماع کیلئے اجتماعی طور پر اردن کے خاص خاص مقامات کی سیاحت کا پروگرام رکھا تھا، میں اگرچہ بیشتر مقامات پہلے دیکھے ہوئے تھا، لیکن یہ قافلہ بہت سے اہل علم پر مشتمل تھا، وزارۃ الاوقاف کے سیکریٹری ڈاکٹر عبدالسلام العبادی (جن کی کتاب "الملکیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ" تین جلدوں میں اپنے موضوع پر ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے) بطور رہنما ساتھ تھے، اور رفقاء سفر میں ڈاکٹر مصطفی الزرقاء، شیخ علی احمد السالوس، شیخ محمد ہشام البرھانی، شیخ عبداللطیف آل سعد اور بہت سے حضرات شامل تھے۔

اس سفر میں ہم اصحاب کہف کے غار، بحر میت اور اغوار کے علاقے میں گئے، ان سب علاقوں کی تفصیل میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں۔ البتہ اس مرتبہ چند نئے مقامات پر جانا ہوا، ان میں سے پہلا مقام تو دریائے اردن تھا۔ بحر میت کی سیاحت کے بعد ہمیں منتظمین دریائے اردن شرقی کنارے پر لیگئے جو آجکل اردن اور اسرائیل کے درمیان جنگ بندی لائن کے طور پر استعمال ہورہا ہے۔

دریائے اردن بڑا قدیم دریا ہے، یہ لمبائی میں ۳۱۹ کیلومیٹر کے علاقے میں پھیلا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ کنعان اور کچھ فلسطین اور سوریا میں ہے، اس کا تذکرہ قدیم ترین کتابوں میں پڑھتے آئے تھے، بائبل کے بہت سے صحیفوں میں جابجا اس دریا اور اس کے کنارے پیش آنے والے واقعات کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی کم از کم دو مقامات پر اس دریا کا نام لئے بغیر تذکرہ کیا گیا ہے۔ پہلا ذکر سورۂ آل عمران میں ہے، جہاں حضرت طالوت کے عمالقہ کے ساتھ جہاد کا واقعہ بیان ہوا ہے، وہاں قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت طالوت نے اپنے رفقاء سے کہا تھا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي

إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ؕ

بیشک اللہ تعالیٰ تمھیں ایک دریا سے آزمائیگا، پس جو شخص اس دریا کا پانی پئے گا اس کا مجھ سے تعلق نہیں، سوائے اس کے جو ایک چلو اپنے ہاتھ سے لے لے۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ اس دریا سے مراد دریائے اردن ہے۔

قرآن کریم نے دوسری بار دریائے اردن کی طرف سورۂ روم میں اشارہ فرمایا ہے، یعنی اس جگہ جہاں ایرانی لشکر کے ہاتھوں رومیوں کی شکست کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہے:۔

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْ اَدْنَى الْاَرْضِ ،

الٓمّٓ۔ روم کے لوگ نزدیک ترین زمین میں مغلوب ہوگئے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں "نزدیک ترین زمین" سے مراد دریائے اردن کی وادی ہے، کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے لشکر نے روم کے لشکر کو شکستِ فاش دی تھی۔

دریائے اردن کی وادی مختلف اقوام اور تہذیبوں کا گہوارہ رہی ہے۔ اسی کے کناروں پر سینکڑوں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، اور تاریخ کے نہ جانے کتنے ابواب لکھے گئے۔ اس کے مغربی کنارے سے فلسطین کا علاقہ شروع ہوجاتا ہے جسے قرآن کریم نے ہر جگہ "ارضِ مقدسہ"، "ارضِ مبارکہ" وغیرہ کے ناموں سے تعبیر فرمایا ہے۔

کتابوں میں دریائے اردن اور اس سے دابستہ تاریخی واقعات کے بارے میں جو کچھ پڑھ رکھا تھا، اس کی بنا پر ذہن میں تاثر یہ تھا کہ یہ کوئی بڑا سا دریا ہوگا۔ لیکن یہاں پہنچکر دیکھا تو یہ چوڑائی میں اتنا چھوٹا ہے کہ اس کیلئے "دریا" کے بجائے "نالے" کا لفظ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ چوڑائی ہمارے پاکستان کے دریائے سوات یا دریائے کنہار کے برابر ہوگی، اور بہت سی جگہوں پر اس سے بھی کم، اور سردی کے موسم کی وجہ سے اس میں پانی بھی بہت کم تھا۔

دریا پر ایک پُل بنا ہوا ہے جس کے مشرقی حصے پر اردن کی آخری چوکی اور ایک بڑا سا دفاعی مورچہ بنا ہوا ہے، پُل کا تقریباً دو تہائی حصہ اردن کے قبضے میں ہے، اور باقی ایک تہائی حصہ اسرائیل کے تسلط میں، دونوں حصوں کو ممتاز کرنے کیلئے بیچ میں ایک بڑا سا ڈرم رکھا ہوا ہے، ہم اس ڈرم تک گئے۔ اس سے آگے اسرائیل کے فوجی پہرہ دے رہے تھے، اور پُل کے مغربی کنارے پر ان کی چوکی نظر آرہی تھی۔ بیت المقدس یہاں سے بارہ پندرہ میل سے زیادہ نہیں تھا، لیکن بیت المقدس تو کجا، ہمارے لئے اسرائیل کا ممنونِ احسان ہوئے بغیر دریا پار کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ ہماری بداعمالیوں کی پاداش مغربی کنارے پر اسرائیل کے لہراتے ہوئے پرچم کی صورت میں ہمارے سامنے تھی۔ دل تھا کہ حسرت و ندامت اور یاس و اضطراب کے جذبات سے پھٹا جا رہا تھا، لیکن ہمارے پاس اپنی

بے بسی کا ماتم کرنے کے سوا اس صورتِ حال کا کوئی علاج نہ تھا، تمام رفقاء خاموش اور دم بخود تھے، کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا، شاید سب اسی قسم کے جذبات میں ڈوبے ہوئے تھے، جب لوٹ کر واپس گاڑی میں بیٹھنے لگے تو ہمارے ایک رفیق نے سکوت توڑتے ہوئے کہا:۔

"یہ جگہ تو سیاحت کیلئے نہیں، جہاد کیلئے آنے کی تھی"۔

ہم سب یہ نشتر بھی سہہ گئے، اور تھوڑی دیر میں گاڑی واپس مشرق کی طرف روانہ ہو گئی۔

یہاں سے ہمارا قافلہ مسجد ابی عبیدہؓ کیلئے روانہ ہوا، راستے ہی میں جمعہ کا وقت ہو گیا۔ بیشتر بلادِ عربیہ میں معمول یہ ہے کہ زوال ہوتے ہی اول وقت جمعہ پڑھ لیتے ہیں، اور تمام مسجدوں میں ایک ہی وقت جمعہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر ایک مسجد میں جمعہ نہ ملے تو پھر کہیں نہیں مل سکتا، لہٰذا ہم نے راستے کے ایک شہر میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد مسجد ابی عبیدہؓ پہنچے، وہاں سے منتظمین ہمیں ایک قریبی بستی میں لے گئے، یہاں ایک زمیندار کے گھر میں دوپہر کے کھانے کا انتظام تھا، یہ کھانا اردن کے مقامی روایتی انداز میں ترتیب دیا گیا تھا۔ کئی بڑے بڑے تھالوں میں چاول رکھ دیئے گئے جن میں پہلے سے دہی اور چلغوزے پڑے ہوئے تھے۔ تھال کے بیچ میں ایک مسلّم دُنبے کا گوشت اُبلا ہوا رکھا تھا۔ اُردن کے دیہات کی روایت یہ ہے کہ معزز ترین مہمانوں کے سامنے یہ کھانا پیش کیا جاتا ہے۔ چمچوں اور چھری کانٹے کے تکلفات نہ تھے، دس دس بارہ بارہ آدمیوں نے ایک ایک تھال میں ہاتھوں سے کھانا کھایا۔

کھانے کے بعد عمان واپسی کیلئے دُوسرا راستہ اختیار کیا گیا جو انتہائی سرسبز و شاداب پہاڑیوں سے گذرتا تھا، قدم قدم پر کھیت اور باغات، سبزے سے لدے ہوئے پہاڑ، دِل کش وادیاں اور پہاڑوں پر چڑھتی اُترتی سڑکیں۔ غرض پورا راستہ بڑا خوبصورت اور دلآویز تھا۔ راستے میں ایک قلعہ "الربض" بھی دیکھا جو اس علاقے کے بلند ترین پہاڑ کی چوٹی پر سلطان صلاح الدین ایوبی نے تعمیر کیا تھا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب بیت المقدس پر عیسائیوں نے قبضہ کر لیا تھا، اور سلطان صلاح الدین ایوبی اُسے عیسائیوں سے واگذار کرانے کے لئے اُٹھے تھے۔ یہ قلعہ پورے علاقے کا بلند ترین مقام ہے، اس کا رُخ مغرب کی جانب ہے، اور یہاں کے بُرج سے دُور دُور تک فلسطین کا نظارہ کیا جا سکتا ہے، یقیناً یہاں کی نصب شدہ منجنیق مغرب میں دُشمن پر حملہ کرنے کیلئے انتہائی مؤثر ثابت ہوئی ہوگی ـــــ یہ قلعہ آج پھر کسی صلاح الدین ایوبی کے انتظار میں چشم براہ ہے۔

عصر کا وقت ہو گیا تو راستے کے ایک قصبے کی مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے اُترے، دیکھا تو یہ قصبہ عجلون تھا۔ حدیث کی مشہور کتاب "کشف الخفاء" کے مصنف علامہ اسمٰعیل بن محمد عجلونیؒ اسی قصبے کی طرف منسوب ہیں۔ جس مسجد میں ہم نے عصر کی نماز پڑھی، وہ بھی بڑی قدیم مسجد تھی، وہاں لگے ہوئے ایک کتبے کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالسلام عبادی نے بتایا کہ یہ مسجد سلطان ظاہر بیبرس نے تعمیر کی تھی۔

یہاں سے روانہ ہو کر ہم مغرب کے وقت واپس عمان پہنچے۔

مجموعی تأثرات:

اردن ایک چھوٹا سا ملک ہے، اسرائیل کے مقبوضات سمیت اس کا کُل رقبہ ایک لاکھ آٹھ ہزار مربع کیلومیٹر ہے، اور عرب اسرائیل جنگ کے بعد ستانوے ہزار سات سو چالیس کیلومیٹر رہ گیا ہے۔ آبادی بارہ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ زیادہ تر رقبہ خشک اور غیر آباد ہے۔ البتہ بعض علاقے بڑے زرخیز ہیں، غذائی اجناس اور زیتون یہاں کی خاص پیداوار ہے، فاسفورس بھی نکلتا ہے۔ ترکی خلافت کے زمانے میں یہ اسلامی حکومت کا ایک چھوٹا سا صوبہ، بلکہ ایک ڈویژن تھا، اردن، سوریا، لبنان اور فلسطین جو آج چار خود مختار ملک ہیں، یہ چاروں ملکر شام کہلاتے تھے جو اسلامی حکومت کا ایک صوبہ تھا۔ مغربی ممالک کی سازشوں سے شام چار حصوں میں تقسیم ہوا، پہلی جنگ عظیم کے بعد اردن ترکی خلافت سے الگ ہوا، اور ۱۹۴۶ء میں موجودہ شاہی خاندان نے "المملکۃ الہاشمیۃ الاردنیۃ" کے نام سے اپنی بادشاہت قائم کی۔

حکومت کے انتظام کے لحاظ سے بلاشبہ اس وقت اردن عالم اسلام کے ان چند ملکوں میں سے ہے جہاں کا نظم وضبط اور معیارِ زندگی قابلِ تعریف ہے، اور ملک کو اس معیار تک پہنچانے میں حکمرانوں کی جدوجہد کو بڑا دخل ہے۔ یہاں خواندگی کی شرح ۸۰ فیصد ہے۔ لوگوں میں تہذیب، شائستگی اور خوش اخلاقی نمایاں محسوس ہوتی ہے۔ صفائی ستھرائی کا معیار بھی عالم اسلام کے دوسرے پسماندہ یا ترقی پذیر ملکوں سے بہتر ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہ حسین اور ولی عہد شہزادہ حسن بہت سادگی کیساتھ لوگوں میں گھلے ملے رہتے ہیں، سڑکوں پر جاتے ہوئے کسی شخص کو کوئی غلط کام کرتے دیکھتے ہیں تو خود کار سے اُتر کر اُسے نرمی سے فہمائش کر دیتے ہیں۔

عوام کو سرکاری دفتروں میں رشوت، بدنظمی یا کام چوری کی شکایت نہیں ہے، جو شخص بھی اپنا کوئی جائز کام دفتروں میں لیکر جائے، وہ بآسانی اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے۔ جرائم بھی بہت کم ہیں، اور بحیثیت مجموعی امن وامان کی فضا نظر آتی ہے۔

لوگوں میں خوش اخلاقی اور نرم خوئی اتنی عام ہے کہ کسی بھی شخص سے بات کر کے دل خوش ہو جاتا ہے، لوگوں میں خوش اخلاقی کا یہ معیار بلند احقر کو کسی دوسرے عرب ملک میں نظر نہیں آیا۔ ایک اجنبی اگر راستے پر جاتے ہوئے کسی جگہ ٹھٹکے تو ہر راہ گیر رُک کر اس سے دریافت کرتا ہے کہ اُسے کسی مدد کی ضرورت تو نہیں۔

عوام کی دینی حالت بہت اچھی نہیں تو بہت بُری بھی نہیں ہے، مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد کافی ہوتی ہے، دھوکہ فریب بہت کم ہے۔ البتہ اردن پر امریکی اثرات روز افزوں ہیں، اور ان کی وجہ سے دینی فضا بھی روز بروز خراب ہو رہی ہے، ذرائع ابلاغ سے عریانی وفحاشی کے پرچار پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ انتہائی عریاں اور مخرب اخلاق فلموں کی نمائش ٹی وی کے روزمرہ کے معمول میں داخل ہے۔ اور اس لحاظ

سے معاشرہ تیزی سے اخلاقی ابتری کی طرف جا رہا ہے۔ عریانی و فحاشی اور شراب نوشی کی وبائیں عوام تک تو ابھی نہیں پہنچیں، لیکن ملک کے بااثر پڑھے لکھے اور دولت مند حلقوں میں تیزی سے پھیل رہی ہیں۔

اُردن اپنی مختصر آبادی اور اندرونی مسائل کی کمی کی وجہ سے نفاذِ شریعت کیلئے بہترین ملک ہے، جو اگر شریعت کو اپنانے کی مثال قائم کرے تو دُنیا بھر کیلئے ایک نمونہ بن سکتا ہے، لیکن نہ حکمرانوں کو اس طرف کوئی توجہ ہے، نہ ملک میں اس مقصد کیلئے کسی مؤثر تحریک کا کوئی وجود ہے، نتیجہ یہ کہ یہاں امریکی اثرات دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں، اور ان پر روک لگانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

شام کی حدود میں:

اس جملۂ معترضہ کے بعد میں پھر جنوری ۱۹۸۶ء کے سفر کی طرف لوٹتا ہوں:۔

رمثا، اردن کی آخری بستی تھی، وہاں امیگریشن وغیرہ کی کارروائی کے بعد ہم آگے جانا چاہتے تھے، لیکن معلوم ہوا کہ شام کی حدود میں داخل ہونے کیلئے شامی حکومت کی طرف سے ایک رہنما گاڑی آتی ہے، اسی کی رہنمائی میں حد عبور کی جا سکے گی، تنہا کسی گاڑی کو جانے کی اجازت نہیں، چنانچہ اس گاڑی کے انتظار میں خاصی دیر لگ گئی، جب چند کاریں جمع ہوگئیں تو شامی گاڑی آئی، اور اس کی رہنمائی میں ہماری کار نے چلنا شروع کیا، رمثا کی چوکی سے نکل کر شام کی سرحدی چوکی درعہ تک پہنچنے کیلئے تقریباً دو کیلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے، یہاں سڑک کے دونوں طرف باڑھ لگی ہوئی ہے۔ اندھیرا اتنا زیادہ تھا کہ باڑھ کے پار کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ بس اگلی رہنما گاڑی کی عقبی روشنی کے پیچھے پیچھے چلتے رہے، یہاں تک کہ شام کی پہلی چوکی درعہ آگئی۔

یہاں امیگریشن اور کسٹم کی کارروائی میں کافی وقت لگا، میرے ساتھ کچھ کتابوں کا ایک بنڈل تھا جو سعودی عرب اور اردن سے خریدی تھیں، گاڑی کے رُکتے ہی کسٹم کا ایک آدمی کتابوں کا وہ بنڈل اٹھا کر کہیں ہجوم میں غائب ہوگیا۔ کسٹم کے کچھ اور لوگوں نے بعد میں کار کے دوسرے سامان کی تلاشی لی، اور گاڑی کو پاس کر دیا۔ انہی سے کتابوں کا اتہ پتہ معلوم کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے ایک دفتر کا پتہ بتایا کہ وہاں ان کتابوں کا جائزہ لیا جائیگا، اس کے بعد وہ آپ کو واپس کر دی جائینگی۔

رات کے دس بج چکے تھے، ابھی تک عشاء کی نماز بھی نہیں پڑھی تھی، امیگریشن کی کارروائی کے بعد ہم نے پہلے نماز پڑھی، اس کے بعد کتابوں کی تلاش میں کافی دیر سرگرداں رہے، بالآخر تلاشِ بسیار کے بعد کتابوں کا بنڈل مل گیا۔ یہاں سے ہمیں دمشق جانا تھا جو تقریباً سو کیلومیٹر دور ہوگا، اس لئے رات کے کھانے کی جگہ تھوڑا سا ناشتہ بھی کیا، اور جب یہاں سے روانہ ہوئے تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

درعہ سے نکلنے کے بعد دمشق جانے والی سڑک پر گھٹا ٹوپ تاریکی میں چلتے رہے، جب کہیں کوئی موڑ آتا تو راستہ معلوم کرنا پڑتا، صبح آٹھ بجے سے ہم مسلسل کار میں سفر کر رہے تھے، اس لئے خواہش یہ

تھی کہ جلد از جلد منزل تک پہنچ جائیں، لیکن راستہ تھا کہ لمبا ہوتا جا رہا تھا، جہاں کچھ زیادہ روشنیاں نظر آتیں خیال ہوتا کہ شاید یہی دمشق ہو، لیکن وہ کوئی اور بستی ہوتی اور اس کے پاس سے گذرنے کے بعد پھر وہی اندھیرا چھا جاتا۔ ایک دو مرتبہ راستے کے تعین کیلئے پیچھے بھی لوٹنا پڑا۔ اللہ اللہ کر کے افق پر ایک پہاڑ روشنیوں سے جگمگ کرتا نظر آیا جس کے دامن میں دور تک قمقمے بکھرے ہوئے تھے۔ یہ دمشق کا مشہور پہاڑ قاسیون تھا۔

رات کے بارہ بج رہے تھے جب ہم دمشق کی حدود میں داخل ہوئے، آدھی رات گذر جانے کے باوجود شہر کی چہل پہل برقرار تھی۔ تھکن اتنی زیادہ تھی کہ ہوٹل کے انتخاب کیلئے چلنا پھرنا ممکن نہ تھا۔ عطاء الرحمٰن صاحب پہلے بھی دمشق آچکے تھے، انہوں نے بتایا کہ وہ مرجہ کے محلے میں ایک ہوٹل میں ٹھہرے تھے، وہاں اور بھی دوسرے ہوٹل موجود ہیں، چنانچہ ہم سیدھے وہیں پہنچ گئے۔ جس ہوٹل کا ذکر عطاء الرحمٰن صاحب نے کیا تھا، اس میں کوئی جگہ خالی نہ تھی، اس لئے مولوی عطاء الرحمٰن صاحب اور مولوی امین اشرف صاحب سلمہ، کسی دوسرے ہوٹل کی تلاش میں چلے گئے۔ میں اور قاری بشیر صاحب ہوٹل کے لاؤنج میں بیٹھے رہے۔

ان لوگوں کو واپس آنے میں کچھ دیر لگی تو ہم انہیں دیکھنے کیلئے باہر نکلے، کچھ دور چل کر عجیب وحشت خیز منظر نظر آیا۔ کچھ لوگ سڑک کے کنارے چھوٹے چھوٹے تھڑے لگائے کھڑے تھے، ان تھڑوں پر کچھ بوتلیں رکھی تھیں، اور وہ بلند آواز سے پکار رہے تھے: "وہسکی، وہسکی، وہسکی"۔

دوسری طرف کچھ ناپسندیدہ وضع کے لوگ ان تھڑوں کے ارد گرد ہاتھوں میں شراب لئے شور و غل کر رہے تھے۔ شراب کی اس طرح خرید و فروخت اور استعمال کا یہ کریہ منظر میں نے اس سے پہلے کم از کم کسی مسلمان ملک میں نہیں دیکھا تھا ــــــ اندازہ یہ ہوا کہ یہ علاقہ اچھے لوگوں کا نہیں ہے، یہاں سے کہیں اور منتقل ہونا چاہئے۔ اتنے میں عطاء الرحمٰن صاحب اور امین اشرف صاحب یہ خبر لیکر آگئے کہ آس پاس کے تمام اچھے ہوٹل بھرے ہوئے ہیں، اور بیشتر ہوٹل ایرانی زائرین نے بُک کرا رکھے ہیں، صرف ایک نئے ہوٹل میں ایک کمرہ موجود ہے ــــــ اس علاقے سے کراہیت کا تقاضا یہ تھا کہ ہم یہاں سے کسی اور محلے میں جاکر کوئی اچھا ماحول تلاش کریں، لیکن رات کا ڈیڑھ بج چکا تھا، اور بستر تک پہنچنے کی خواہش اس درجہ غالب تھی کہ کم از کم ایک رات کیلئے اسی کمرے میں رہنا منظور کر لیا، شدید تھکن کے بعد بستر میسر آیا تو جلد ہی نیند آگئی۔

صبح کو بیدار ہونے اور معمولات سے فراغت کے بعد میں نے پاکستانی سفارت خانہ فون کیا، قونصل جنرل توحید احمد صاحب سے بات ہوئی، وہ غائبانہ احقر سے واقف تھے، میں نے اُن سے ذکر کیا کہ ہمیں قیام کیلئے کسی اچھے ہوٹل کی بھی ضرورت ہے، اور ایک رہنما کی بھی۔ انہوں نے کہا کہ ایک گھنٹے کے اندر اندر میں خود آپ کے پاس پہنچتا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے وعدے کے مطابق ایک گھنٹے کے اندر اندر ہمارے پاس پہنچ گئے۔ اس عرصہ میں انہوں نے ایک اچھے ہوٹل میں ہماری بکنگ بھی کرادی تھی، یہ

ایک فور اسٹار ہوٹل فندق البستان تھا جو دمشق کے بارونق علاقے وکٹوریا پر جبلِ قاسیون کے سامنے واقع تھا، اور ہماری ضروریات کیلئے بہت مناسب۔ چنانچہ ہم اس میں منتقل ہوگئے۔

جامعۃ دمشق میں:

اسی دوران توحید صاحب نے ہمیں دمشق یونیورسٹی لیجانے کا پروگرام بنالیا تھا، چنانچہ ہم ہوٹل سے سیدھے دمشق یونیورسٹی پہنچے، یہاں "کلیۃ الشریعۃ" کے سربراہ ڈاکٹر فتحی الدرینی ہمارے منتظر تھے۔ میں درینی صاحب سے غائبانہ ان کی کتابوں کے توسط سے متعارف تھا، انہوں نے اصولِ فقہ اور جدید فقہی مسائل پر متعدد تحقیقی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ایک کتاب "المناہج الأصولیۃ" میرے پاس پہلے سے موجود تھی۔ توحید صاحب نے اُن سے میرا تعارف کرایا، وہ بڑے تپاک سے ملے، اور کلیۃ الشریعۃ کے دوسرے اساتذہ کو بھی جمع کرلیا۔ یہاں دیر تک مختلف علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، ڈاکٹر درینی صاحب نے اپنی کتابوں کا ایک سیٹ بھی احقر کو تحفۃً دیا۔

دمشق یونیورسٹی کا کلیۃ الشریعۃ عالمِ عرب میں علمی اور تحقیقی معیار کے لحاظ سے بلند مقام کا حامل سمجھا جاتا رہا ہے، اور شاید جامعۃ الأزہر اور جامعۃ الزیتونہ کے بعد اسکی علمی شہرت سب سے زیادہ رہی، لیکن موجودہ لادینی حکومت نے یہاں کے اہلِ علم وفضل پر جو ستم ڈھائے، ان کی بنا پر یہاں سے بڑے بڑے صاحبانِ علم وفضل ہجرت کرگئے، اور وہ پہلا سا علمی معیار بھی باقی نہیں رہا اور عملی تدین کے اعتبار سے تو یہاں کی فضا اور بھی گرگئی۔

یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم ہے، لیکن اس کے باوجود متعدد طالبات مکمل برقعے میں ملبوس بھی نظر آئیں۔

دوپہر کے وقت ہم ہوٹل واپس آگئے، اور عصر تک آرام کیا۔ توحید صاحب نے سفارت خانے کے سیکنڈ سیکریٹری عنایت صاحب کو ہماری رہنمائی کیلئے متعین کردیا تھا۔ عصر کی نماز کے وقت وہ ہوٹل آگئے، اور ان کی معیت میں ہم دمشق کے مختلف مقامات کی زیارت وسیاحت کیلئے روانہ ہوئے۔

شہر دمشق[1]:

دمشق اس وقت دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان کے بعد کشتی سے اُتر کر سب سے پہلے دو بستیاں آباد فرمائیں، پہلے حرّان اور پھر دمشق۔ اس طرح طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے حرّان اور دمشق آباد ہوئے۔ بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک غلام کا نام دمشق تھا اس نے سب سے پہلے یہاں بستی بسائی تھی، اس لئے اس کا نام دمشق ہوگیا۔ بعض تاریخوں میں یہ مذکور ہے کہ یہ بستی ذوالقرنین کی بسائی ہوئی ہے، اور بعض نے اس کی تعمیر کو سکندر مقدونی

---

[1] اس کا صحیح تلفظ دِمَشق (دال پر زیر، میم پر زبر اور شین پر جزم) ہے۔

کے ایک غلام کی طرف منسوب کیے ہیں۔[1]

ان متعارض تاریخی روایتوں سے کسی حتمی نتیجے تک پہنچنا مشکل ہے، لیکن یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ یہ شہر ہزاروں سال سے آباد ہے، بائبل کے عہد نامۂ قدیم میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، اور جب سے تاریخ کی تدوین شروع ہوئی، اس وقت سے اس کا یہی نام چلا آتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ دمشق دنیا کا سب سے پرانا شہر ہے جو اب تک آباد ہے۔[2]

اسلام سے پہلے اس شہر پر بیشمار طاقتیں حکمرانی کرتی رہیں۔ طلوعِ اسلام کے وقت یہ روم کی بازنطینی سلطنت کا اہم تجارتی شہر تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں یہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراحؓ کی سرکردگی میں فتح ہوا، اور صوبۂ شام کا پایۂ تخت قرار پایا۔ حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں حضرت معاویہؓ اس کے گورنر مقرر ہوئے، اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد انہوں نے اسے پورے عالم اسلام کا دارالخلافہ قرار دیدیا، چنانچہ بنوامیہ کے عہدِ حکومت میں تقریباً ایک صدی تک یہ اُس اسلامی حکومت کا پایۂ تخت رہا جس کی حدود بحرِ ظلمات (اٹلانٹک) سے بحرِ ہند تک پھیلی ہوئی تھیں۔

تقریباً ایک لاکھ انبیاء کرام (علیہم السلام) کے جدِ امجد حضرت ابراھیم علیہ السلام نے چونکہ شام ہی کو اپنا دارالہجرۃ قرار دیا تھا، اس لئے جن انبیاء کرام کے حالات معلوم ہیں، ان میں سے بیشتر شام ہی کے علاقے میں پیدا ہوئے، اور دمشق کا پہاڑ قاسیون ان کی تبلیغ و دعوت کا بہت بڑا مستقر بنا رہا۔

مُسلمانوں کے ہاتھوں دمشق کی فتح کے بعد جلیل القدر صحابۂ کرامؓ کی بہت بڑی تعداد یہاں آکر آباد ہوئی، لہٰذا اس شہر کو انبیاء علیہم السلام اور صحابۂ کرامؓ کا شہر کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا، اور اسی بناء پر اس کے چپے چپے سے تاریخِ اسلام کی بیشمار یادیں وابستہ ہیں۔

یہ شہر سطحِ سمندر سے دو ہزار دو سو فیٹ بلند ہے، اس لئے یہاں کا موسم اور آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے، سردی کے موسم میں برف بھی پڑ جاتی ہے، اور شدید گرمی میں بھی راتیں ٹھنڈی اور فرحت بخش ہوتی ہیں۔ نہر بردہ شہر کے قریب سے گذرتی ہے اور اس کے پانی سے نہ صرف شہر کے لوگ سیراب ہوتے ہیں، بلکہ اسکی بناء پر علاقہ کافی سرسبز و شاداب ہوگیا ہے۔

(جاری ہے)

---

[1] ان روایات کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ دمشق لابن عساکر، ومختصر تاریخ دمشق لابن منظور ص ۴۳ تا ۴۸ ج ا

[2] دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص ا ج ۷

آفتاب اسلام عرب کی سرزمین میں طلوع ہوا ۔ اور اس نے اپنی روشنی سے جن دور دراز کے علاقوں کو منور کیا ۔ ان میں سرزمین "ہند" بھی شامل ہے ۔ اگرچہ عرب ہند دونوں ملکوں کا باہمی ارتباط اسلام سے پہلے بھی موجود تھا ۔ عہد قدیم میں ہند اور مغربی دنیا کے درمیان تجارت کے جو تین راستے تھے ۔ ان میں سے دو راستے عرب سے گزرتے تھے ۔ پہلا راستہ دریائے سندھ کے دھلنے سے دریائے فرات تک جاتا ہے جہاں سے انطاکیہ اور مشرقی بحیرۂ روم کی بندرگاہوں کو جانے والی سڑک الگ ہوتی تھی اور دوسرا راستہ جو پہلے سے بھی زیادہ اہم تھا سندھ کے ساحل سے لیکر حضرموت تک جا پہنچتا ہے[1] اس طرح عرب اور سندھ شروع ہی سے ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کیا کرتے تھے اور ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا سب سے پہلا اور قدیم سبب یہی عربوں اور ہندوؤں کا تجارتی میل جول تھا[2]

البتہ اسلام کے بعد عرب قوم کی تنظیم نے ان روابط کو مزید مستحکم بنیادوں پر استوار کر دیا اور پھر عرب اپنے مال و متاع کے ساتھ اسلام کی دولت بھی لانے لگے اور یہاں سے مال تجارت کے ساتھ نومسلموں کو بھی ساتھ لے جاتے ۔ ملیبار میں موپلا اور نوریت انھیں عرب تاجروں کی یادگار ہیں اور یہی ہندوستان کے سب سے پہلے داعی اور مبلغ ہیں[3]

---

[1] INTERCOURSE BETWEEN INDIA AND THE WESTREN WORLD BY H.G RAW . PAGE : 1-2 [2] ENCYCLOPEADIA BRITANICA VOL. 4 - PAG 244

[3] مقالات سلیمانی جلد ۲ ص ۱۸۹ (مضمون ہندوستان میں اسلام کی اشاعت)

ہند کے ساحلی علاقوں پر عربوں نے پہلا حملہ ۱۵ھ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب کے زمانے میں کیا۔ لیکن سلطنت کے استحکام اور بحری مہم کے خطرات کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے اس بات کو ناپسند کیا۔[1] حضرت عثمان کے دور میں بھی کسی حملے کی اجازت نہ ملی۔ حضرت علیؓ کے دور حکومت ۳۵ھ تا ۴۰ھ میں سندھ پر سرحدی حملوں کا سلسلہ جاری رہا۔[2] اور امیر معاویہ کے عہد حکومت میں مکران فتح کر لیا گیا اور اس کے باعث عربوں کا سندھ کی بادشاہت سے بلاواسطہ آمنا سامنا ہوا۔ امیر معاویہ کی موت کے بعد سندھ میں حملوں کے بارے میں کوئی قطعی تاریخ نہیں ملتی۔ لیکن ولید بن عبد الملک کے عہد حکومت میں عربوں کی فتوحات کا دائرہ سندھ میں بڑی تیزی سے پھیلنے لگا۔ اس کا سب سے بڑا محرک بحری قزاقوں کا ان جہازوں کو لوٹنا تھا۔ جس میں سیلون کے حاکم نے مسلمان یتیم بچوں اور عورتوں کو بھیجا تھا۔[3]

۷۱۱/۹۲ھ میں محمد بن قاسم نے ان عورتوں کو رہائی دلانے کیلئے لشکر کشی کی۔ اس طرح آفتاب اسلام کی روشنی میں اس تہذیب کا پہلا ریلا محمد بن قاسم کی قیادت میں آیا اور عرب و ہند میں سیاسی تعلقات کا آغاز ہوا دیبل سے لیکر ملتان سے آگے تک سارے علاقے پر عرب مسلمانوں کی حکومت مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم ہو گئی اور محفوظہ اور منصورہ جیسی بستیاں آباد ہوئیں۔ عرب فاتح عربی زبان اور دین اسلام کا سرمایہ ساتھ لائے۔ انہوں نے یہاں عربی اور علم منقول کو رواج دیا۔ جس سے قرآن و حدیث، فقہ، تجوید، صرف و نحو، لغت، فلسفہ، منطق، طب علم الکلام۔ اور تصوف کے علوم کی ترویج ہوئی۔ اس دور کے علمی مراکز کا پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے اگر کوئی علمی کاوشیں رہیں بھی ہوں تو ان کا ضائع ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔[4]

عربی شاعری کا آغاز

اموی عہد میں جاہلی عصبیت پھر سے ابھرنے لگی تھی۔ اور اس عہد میں شاعری نے خوب ترقی کر لی تھی۔ عربوں میں شاعری کا شوق و ذوق صرف ادبی حلقوں تک محدود نہ تھا بلکہ ساری قوم میں جاری و ساری تھا۔ شہزادے، سیاستدان، سپاہی حتیٰ کہ عورتیں بھی شعری ذوق سے بہرہ ور تھیں اور شاعری میں یہ محبت ہر عام و خاص میں پائی جاتی تھی محمد بن قاسم اور اس کے ساتھی اسی دور کے پیداوار تھے اس لئے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ محمد بن قاسم وہ پہلا آدمی تھا جس نے عربی شاعری کی ترقی اور نشوونما کی ابتدا کی۔[5]

اس کی نظموں کے شواہد جو وہ اپنی بہادری، دریادلی اور انسانی بے چارگی کے بارے میں پڑھتا تھا ازمنہ وسطی کے معاصرانہ تذکروں میں محفوظ ہیں۔ محمد بن قاسم کے بعد کئی گورنر یکے بعد دیگرے مقرر ہوئے۔ جن کے ساتھ بہت سے شاعر سندھ آئے جو بنیادی طور پر سپاہی تھے۔ سندھ کے عربوں نے نہ صرف دار الخلافت کے ساتھ بلکہ اسلامی

---

[1] تاریخ اسلام ص ۲۱۴ ۔ [2] تاریخ اسلام ص ۳۰۶ [3] فتوح البلدان ج ۳ ص ۲۰، ۵ ۔

از ۔ احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری [4] اسلام ص ۱۳ از ۔ احسان اللہ عباسی ابو الفضل

[5] تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند ۔ ص ۲۸

دنیا کے دوسرے شہروں کے ساتھ سیاسی، سماجی، تجارتی اور ثقافتی تعلقات قائم رکھے۔ شعراء محدثین ادباء دستکاروں اور سپاہیوں کے تبادلے کی وجہ سے فاتحین و مفتوحین کے درمیان ایک گہری افہام و تفہیم عمل میں آئی۔ جس نے ثقافتی اور ادبی سرگرمیوں میں بہت مدد دی۔ اور سندھی شعراء نے عرب دنیا میں اپنی قابلیت اور تخلیقی صلاحیت کا لوہا منوایا اور اس دور میں عربی ہی ایک ایسی زبان تھی جو تمام بلاد اسلامیہ میں اظہار خیال کا بہترین ذریعہ سمجھی جاتی تھی لے چنانچہ چوتھی صدی ہجری تک عربی تمام اسلامی دنیا کی علمی و ادبی زبان تھی۔ کیونکہ اس وقت تک عربی نے ایک دینی علمی اور ادبی مقام حاصل کر لیا تھا اس لئے غیر عرب مسلمان عربی میں لکھتے اور اسی میں شعر کہتے تھے۔ ایک نہیں سینکڑوں ہندوستانیوں نے عربی زبان میں اشعار کہے۔ جن میں بعض کے دواوین بھی مرتب و مطبوعہ شکل میں ملتے ہیں کے

ہندوستان کا پہلا عربی گو شاعر :-

ڈاکٹر زبید احمد خان نے سعد سلمان کو ہندوستان کا پہلا عربی گو شاعر کہا ہے سے جس کی تاریخ پیدائش تمام اختلافات کے باوجود بھی ۴۳۸ھ بنتی ہے جبکہ عربی زبان کی قدیم تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو "ہارون بن موسیٰ ملتانی" ہندوستان کا پہلا عربی گو شاعر تھا۔ اس کے آباؤ اجداد نے ملتان میں اقامت اختیار کی اور اسی سرزمین میں ہارون کی ولادت اور اس کی نشوونما ہوئی کے

جاحظ البصری (المتوفی ۲۵۵ھ/۸۶۹ء) نے ہارون کو فطری شاعر تسلیم کیا ہے اور مولدین شعراء میں اسکا شمار کیا ہے اگرچہ ہارون کی سن وفات معلوم نہ ہو سکی۔ لیکن جاحظ کے قول کے مطابق ہارون ملتانی عرب کے مشہور شاعر کمیت کے پاس بہت زیادہ آیا کرتا تھا اور کمیت کی سن وفات ۱۱۲ھ/۷۳۴ء ہے شہ اس لئے یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ہارون ملتانی کا انتقال دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں ہوا۔ ہارون نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہوگی۔ مگر زمانے کے دست برد سے اس کے کلام کا بہت سا حصہ تلف ہو گیا لے

یہ بات تو ظاہر ہے کہ عربوں کے عہد حکومت میں عربی سرکاری زبان تھی اور ایران غزنی علم و حکمت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے ۳۹۲ھ/۱۰۰۱ء میں برصغیر پاک و ہند کی طرف رخ کیا۔ ۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء میں پنجاب کو غزنی سلطنت سے منسلک کر لیا۔ اس ملک میں اسلام کو نئی راہ ملی۔ اور ہندوؤں نے دھڑا دھڑ اسلام قبول کیا اور برصغیر کی سرزمین اسلام کی روشنی سے جگمگا اٹھی کے

اسلام کی یہ روشنی اپنے ساتھ فارسی زبان ذریعہ ابلاغ کی حیثیت سے لا لائی۔ لیکن نصاب تعلیم میں عربی کو وہی مقام حاصل رہا۔ جو عربوں کے عہد میں قائم ہوا تھا عرب مذہب کی زبان رہی۔ اور فارسی مبلغین کی زبان۔ اس طرح روزمرہ کی بول چال میں فارسی رواج پانے لگی اس کے باوجود بلند پایہ ادب میں عربی کی فوقیت مسلم تھی اور فارسی کسی

لے LITERY HISTORY OF THE ARABS _PAGE.27 BY NICHILSON

لے تاریخ فیروز شاہی ص ۱۱۵۔ از۔ ضیاء برنی (ii) ایضاً برعظیم پاک و ہند ص ۲۴۲۔ از۔ اشتیاق حسین قریشی سے عربی ادبیات میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ ص ۲۳۴۔ از زبید احمد ترجمہ شاہد حسن رزاقی کے رجال السند والہند ص ۲۶۳۔ از قاضی اطہر مبارکپوری شہ کتاب الحیوان ج ص ،، از ابو عثمان عمرو بصری جاحظ (ii) و مروج الذہب ج ا ص ۲۴۰ لے کتاب الحیوان ص ۱۰۱، ۹ شہ کتاب الکامل ج ۹ ص ۱۳۹ از ابن الاثیر

حد تک اس کے سہارے کی محتاج تھی ؎

اسی طرح غوریوں کے عہد حکومت میں سیاسی اقتدار کا مرکز دہلی قرار پایا۔ اور صدی کا وسط آتے آتے دنیائے اسلام کا تمام علمی و ثقافتی سرمایہ ہندوستان میں پہنچ گیا اور دہلی مشرق میں اسلامی علوم کا سب سے بڑا مرکز بن گیا کیونکہ اجمیر میں بہت سے مدارس قائم کئے گئے۔ جو ہندوستان کے اندر اپنی نوعیت کے اولین ادارے تھے ؎

ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں کے حملوں نے ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیا تھا اس لئے خراسان اور ماوراء النہر کے علماء اور شعراء ہندوستان کی طرف ہجرت کر گئے اور یہاں کے سلاطین کی مہمان نوازی کے پیش نظر اس سرزمین کو اپنا مسکن بنالیا۔ علم وادب اور دین کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ ان دو صدیوں میں اگرچہ سیاسی فضاء پاک نہ تھی۔ مگر پھر بھی یہاں علم وعرفان کی شمع روشن ہوتی رہی ؎

التمش نے مشائخ وعلماء کی سرپرستی کی۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے دہلی میں مدرسہ کی تعمیر کی اور اس کا نام مدرسہ معزی رکھا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک مدرسہ بدایوں میں قائم کیا جو شمالی ہندوستان میں اسلامی ثقافت کا مرکز بن گیا۔ اس طرح یہ دور علم وادب کا کہکشانی دور کہلاتا ہے ؎

چونکہ دین کی بنیادی کتب عربی زبان کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں اس لئے اس نظام تعلیم سے عربی کو بیحد تقویت ملی اور اس کا نتیجہ یہ رہا کہ عربی زبان نہایت احتیاط سے محفوظ رہی۔ حالانکہ عربی نہ تو اس ملک کی زبان تھی، اور نہ ہی حکمرانوں کی۔ کیونکہ یہ لوگ غور، سمرقند سے تعلق رکھتے تھے۔ اس زمانے میں رائج الوقت سکوں پر تمام عبارتیں عربی میں تھیں۔ کتبے بھی عربی میں کندہ کئے جاتے تھے لیکن شعر وشاعری پر فارسی چھاگئی مگر شاعری پر بھی عربیت کا رنگ نمایاں تھا ؎ اس کے علاوہ عربی بھی درباروں میں حکمران کے زیر سایہ چلتی رہی۔ مثلاً ناصر الدین قباچہ جو اہل علم واخیار وابرار کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کا دربار گہوارہ شعر وسخن تھا۔ اس کے دربار میں آسمان ادب کے درخشندہ ستارے عہد ناصری کو اپنی تابانیوں سے منور کرتے تھے اور عربی ادب کا شعور رکھتے تھے صاحب طبقات ناصری منہاج السراج عربی میں شعر کہتے تھے اس کے علاوہ ایک مدرسہ "مدرسہ ناصریہ" کے نام سے قائم کیا گیا ؎ اس مدرسے میں ایسے اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئیں جو اپنے علم وفضل میں شہرۂ آفاق تھے اور درس وتدریس میں کافی مہارت اور مقام رکھتے تھے ؎

جب حکومت خلجیوں کے پاس آئی تو اس دور کی نمایاں شخصیت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء ہیں ان کا شمار اس عہد کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے نظام الدین نے شمس الدین خوارزمی سے باقاعدہ ادب عربی کا درس لیا اور مقامات حریری حفظ کی۔ آپ کے شاگردوں کا پورا سلسلہ تقریباً عربی شعر وادب کے ذوق میں ممتاز ہوا اور ان تلامذہ نے عربی شعر وادب کے کئی اسلوب بھی ایجاد کئے ؎

۱؎ کتاب الکامل ج ۹ ص ۱۳۵۔ از ابن الاثیر ۲؎ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔ ص ۶۸۔ از ابوالحسنات ندوی

۳؎ طبقات ناصری۔ ص ۱۷۷ - ۱۶۶۔ از منہاج السراج ۔ ۴؎ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند ص ۱۳۰

۵؎ طبقات ناصری ص ۳۰۷ ۶؎ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند ص ۱۹۵

۷؎ تاریخ فیروز شاہی ص ۱۱۱ ۸؎ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند ص ۱۵۰۔

اس کے بعد عہد تغلق میں صرف فیروز تغلق کے زمانے میں ہی ۳۰ مدارس قائم کیے گئے اُن میں سب سے زیادہ اہم مدرسہ "مدرسہ فیروز شاہی" تھا اس عہد میں علم کی جانب خصوصی توجہ دی گئی اور اسی عہد میں عربی شاعری میں نظام الدین کے گلستان کے پھول اپنی بہار دکھلا رہے تھے اور قاضی عبدالمقتدر بن محمد الکندی اور شیخ احمد تھانیسری ان دونوں نے عربی میں اتنے اشعار تو نہیں کہے کہ ان کا مستقل دیوان مرتب ہو۔ لیکن ان کے کلام شاعری میں فصاحت اور بلاغت بدرجہ اتم موجود تھی [۱]

پھر التمش کے زمانے سے سکندر لودھی کے عہد تک مدارس کا نصاب ایک مقررہ نہج پر تھا۔ زیادہ زور مذہبی علوم پر دیا جاتا رہا۔ اور مختلف علوم مثلاً تفسیر، حدیث اور فقہ معقولات میں شرح شمسیہ اور شرح صحائف نصاب میں داخل تھیں۔ ان کے علاوہ نحو، ادب، منطق، تصوف اور علم کلام بھی پڑھائے جاتے تھے [۲]

اس نے عرب ایران اور وسط ایشیا سے اہل علم کو یہاں کی تعلیم کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے بلایا۔ ان میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز جو معقولات میں مہارت رکھتے تھے قابل ذکر ہیں۔ اس طرح اس دور میں معقولات کو رواج ہوا

اس کے بعد ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ لیکن جس طرح اندلس میں اموی حکومت کے زوال کے بعد بھی عربی علوم اور اسلامی تہذیب کی شمع روشن رہی [۳] اور اس کی روشنی ماند نہ ہونے پائی تھی ٹھیک اسی طرح دہلی کی سلطنت کے سیاسی زوال کے بعد برصغیر میں مختلف صوبہ جاتی حکومت کا قیام ہوا تو اس کے ساتھ ساتھ وہاں علم و ادب کی ترقی ہوئی اور ان ریاستوں نے علم پروری اور اہل علم کی سرپرستی میں قابل فخر روایات قائم کیں [۴]

سلطان ابراہیم شرقی کے عہد میں جونپور اسلامی و عربی علوم کا نمایاں مرکز بن گیا اور اہل علم نے بھی اسی طرف کا رُخ کیا۔ اس طرح احمد شاہ اول گجراتی بھی ایک علم دوست اور اہل علم کا قدردان بادشاہ تھا۔ اس دور کے مشہور عربی شعراء کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے عربی شاعروں کے مروجہ اصناف کے نمونے پیش کئے۔ اسی طرح اس دور کی اہم بات یہ بھی تھی کہ سقوط بغداد اور اندلس سے مسلمانوں کے اخراج کے بعد اب دیار عرب کے اہل علم کی نظریں برصغیر کے ان علم پرور حکمرانوں پر پڑیں۔ اور وہ ہند کی ان اسلامی ریاستوں کے دارالحکومتوں کی جانب ہجرت کرتے نظر آتے ہیں [۵]۔ اس ہجرت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ یہاں کے عربی و اسلامی علوم کے ماہروں کو اہل زبان سے استفادہ کرنے کا موقع ملا اور اس طرح اس عہد میں جو عربی ادب تخلیق ہوا۔ اس میں وہ فارسیت نہیں پائی جاتی۔ جو پہلے مغلیہ دور میں پائی گئی۔

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی ص ۱۱۲ [۲] منتخب التواریخ ص ۲۲۳ - ۲۲۴ [۳] الادب الاندلسی ص ۱۸ از ڈاکٹر احسان عباس

[۴] تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند ص ۱۶۸ [۵] نزهۃ الخواطر ج ۳ ص ۴۲ (ii) وایضاً بہجۃ المسامع والنواظر ج ۴ ص ۳۰۶۔

عمران اشرف عثمانی
متعلم عالمیہ سالِ اول
دار العلوم کراچی

حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ
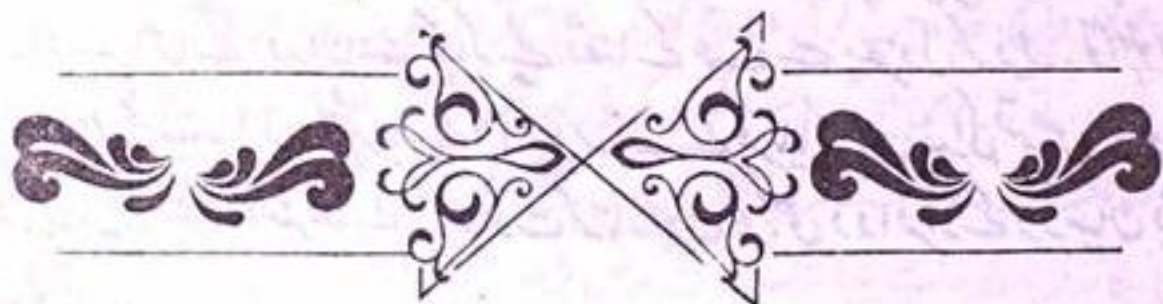
آپؓ کا نام ونسب: عمران ابن حصین ابن عبید ابن خلف الخزاعی آپ کے صاحبزادہ کا نام نجید ہے اس لئے آپ کی کنیت ابونجید ہے آپ کے اسلام لانے سے پہلے کے حالات کتابوں میں مذکور نہیں البتہ آپ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما جنگِ خیبر میں ساتھ اسلام لائے اور آپؓ انصاری صحابی ہیں۔[1]

آپ کے اسلام لانے کے ساتھ آپ کے والد اور آپ کی ہمشیرہ بھی اسلام لے آئی تھیں آپ بہت سے غزوات میں حضور اکرم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے اسلام لانے کے بعد آپؓ نے اپنی آبائی جگہ چھوڑ کر مدینہ منورہ میں ہی قیام فرمایا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو آپ بصرہ تشریف لے گئے، اور وہیں مقیم ہوگئے۔

ابوالاسود دؤلی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو بصرہ بھیجا تاکہ آپ وہاں کے لوگوں کو دین کی باتیں بتائیں۔[2]

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو اسمیں مسلمانوں کے درمیان آپس میں وہ جنگیں ہوئیں جن کے واقعات مشہور ہیں، آپؓ ان فتنوں سے علیحدہ رہے آپ نہیں چاہتے تھے کہ ایک مسلمان کی تلوار دوسرے مسلمان کی تلوار سے ٹکرائے اس لئے آپ خود بھی ان جنگوں میں حصہ نہیں لیتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی یہی تلقین فرماتے تھے چنانچہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷، ص۹۔ [2] طبقات ابن سعد ص۱۰ ج ۷۔

عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے ابو قتادہ! بس اپنی مسجد میں جم کر بیٹھ جاؤ"۔ حضرت ابو قتادہ نے سوال کیا کہ "اگر فتنہ کی وجہ سے لوگ مسجد میں داخل ہو جائیں تب بھی؟" آپ نے فرمایا کہ: "ایسے موقع پر گھر میں جم کر بیٹھ جاؤ"۔ حضرت ابو قتادہ نے سوال کیا کہ لوگ اگر گھر میں بھی داخل ہو جائیں تب میں کیا کروں؟: "حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میرے گھر میں کوئی شخص داخل ہو اور وہ میری جان اور میرے مال کے درپے ہو جائے تو اس وقت میں یہ سمجھوں گا کہ میرے لئے اب اسکو قتل کرنا جائز ہوگیا[۱]"۔

عبید اللہ[۲] ابن زیاد نے آپ کو عہدۂ قضا پیش کیا جسکو آپ نے قبول فرمایا اسی دوران ایک دفعہ دو آدمیوں کا جھگڑا ہوا، وہ آپ کے پاس آئے انہیں سے ایک کے خلاف گواہوں نے گواہی دی آپ نے دوسرے کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ تو دوسرا شخص بولا کہ آپ نے اپنے اعتبار سے تو ٹھیک فیصلہ کیا ہے کیونکہ میرے خلاف گواہ آگئے تھے، لیکن خدا کی قسم! آپکا یہ فیصلہ غلط اور گواہ جھوٹے ہیں۔ حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ نے یہ سُنا تو آپ تکبیر بلند کرتے ہوئے عبید اللہ ابن زیاد کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ مجھے قضا کے عہدہ سے معزول کر دیں۔ توانہوں نے کہا "اے ابو نجید! ذرا ٹھہر جائیے" اس پر آپ نے فرمایا کہ "اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں جبتک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہوں گا کبھی دو افراد کے درمیان فیصلہ نہ کروں گا[۳]"۔

ابو خشینہ حکم ابن اعرج سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس وقت میں نے اپنی پیشاب کی جگہ کو دائیں ہاتھ سے نہیں چھویا[۴]۔

بزرجار سے روایت ہے کہ حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ ایک دفعہ ہمارے پاس آئے تو آپ پر ریشمی[۵] اوڑھنی تھی جو اس سے پہلے اور اس کے بعد ہم نے کبھی آپ پر نہیں دیکھی تھی۔ تو اس پر آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

(إن الله إذا أنعم على عبدٍ نعمةً يحب أن ترى عليه۔ او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) یعنی کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ پر انعام فرماتا ہے تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر اس نعمت کا اثر نظر آئے۔[۶]

حضرت امام محمد ابن سیرین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے بصرہ میں آپ سے زیادہ اہلِ فضیلت کسی اور کو نہیں دیکھا۔ اور آپ مستجاب الدعوات تھے اور کبھی کسی فتنہ کے وقت حاضر نہیں رہے (یعنی کسی بھی فتنہ میں جانبین میں سے کسی بھی طرف سے شامل نہیں ہوئے، یہانتک کہ حضرت

---

[۱] کذا فی طبقات ابن سعد ج ۴ صفحہ ۲۹۰ [۲] عبید اللہ ابن زیاد اس وقت والیٔ کوفہ و والیٔ بصرہ تھے بعد میں عبد اللہ ابن عامر بصرہ کے والی بنے۔ [۳] کہا جاتا ہے کہ آخر میں والیٔ بصرہ حضرت عبد اللہ ابن عامر نے آپکا استعفیٰ قبول فرمایا تھا۔ کذا فی تعذیب التعذیب ج ۸ صفحہ ۱۲۶ [۴] کذا فی سیر الاعلام النبلاء ج ۲ صفحہ ۵۰۹ [۵] یہ چادر ایسی ریشم کی بنی ہوئی تھی جس کو عربی میں "خز" کہتے ہیں جو دراصل مخلوط ریشم ہوتا ہے اور اس کو پہننا جائز بھی ہے۔ کذا فی لسان العرب من مطبوعات نشر ادب الحوزۃ، ایران ج ۵، صفحہ ۳۴۵ (فی فصل الخاء) [۶] کذا فی سیر الاعلام النبلاء (ج ۲ صفحہ ۵۰۹) وکذا فی طبقات ابن سعد وغیرھم۔

علی کے زمانہ میں جو جنگ ہوئی تھی اس میں بھی کسی کے ساتھ شامل نہیں تھے [1]

حضرت حسن بصری اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ بصرہ میں کوئی شہسوار حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر نہیں آیا [2]

آپ کو وفات سے تیس[3] برس قبل استسقاء (یعنی مسلسل پیاس کی وجہ سے پانی طلب کرتے رہنے) کی بیماری ہوگئی تھی جسمیں پیٹ میں پانی پیلا پڑ جاتا ہے پیاس بہت لگتی ہے۔ یہ بیماری آپ کو تیس[4] سال رہی۔ جو آپ صبر اور استقامت کے ساتھ جھیلتے رہے۔ تاریخ میں آتا ہے کہ جس زمانہ میں آپ بیمار ہوئے تھے تو آپ کے پاس فرشتے آتے تھے اور آپ سے مصافحہ کرتے اور بعض دفعہ بس دور ہی سے سلام کرتے اور ان کی آوازیں آتی تھیں۔ اس مرض کے دوران آپکا پیٹ چیر کر اسمیں سے چربی بھی نکالی گئی لیکن اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا تو اس زمانہ میں عرب میں ایک خاص علاج کا رواج تھا، جب کوئی علاج کارگر نہ ہوتا تو اہلِ عرب وہ علاج کرتے تھے، اس کو عربی میں "کی"، کہتے ہیں اس میں گرم سلاخوں کے ذریعہ جلد کو جلا کر علاج کیا جاتا ہے۔ اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا تھا۔ آپ کو بہت سے لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ "کی"، کروالیں لیکن آپ انکار فرماتے رہے یہانتک کہ آپکا مرض بڑھتا چلا گیا۔ آخر کار آپنے مجبور ہو کر وصال سے دو سال قبل "کی"، کروالی۔ "کی"، کروانے کے بعد آپ کے پاس فرشتوں کا آنا بند ہوگیا۔ اور آپکا مرض بھی کم نہ ہوا۔ اور فرشتے کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ آپکے پاس آنے لگے۔ آخر کار آپکا بصرہ میں سن ۵۲ ہجری میں وصال ہوگیا [3]

روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ آپ کی اس بیماری کی حالت کو میں دیکھ نہیں سکتا تھا اس وجہ سے میں آپ کی عیادت کو نہ آسکا۔ آپ نے فرمایا بھتیجے! تم میرے پاس مت بیٹھو، پس خدا کی قسم اس مرض کا جو حصہ میرے اللہ کو پسند ہے وہ مجھے بھی پسند ہے۔ [4]

آپ کی احادیث

حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ سے جن حضرات نے احادیث سنیں اور پھر اس کو دوسروں تک نقل فرمایا۔ ان میں سے مطرف بن عبد اللہ الشخیر۔ ابو رجاء عطاردی۔ زہرم جرمی۔ زرارہ ابن اوفیٰ۔ حضرت حسن بصری۔ علامہ ابن سیرین عبد اللہ ابن بریدہ، امام شعبی۔ عطاء جو حضرت رض کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور حکم ابن اعرج وغیرہم ہیں [4]

آپ کی مسند احادیث ایک سو اسی[180] احادیث ہیں جنمیں سے نو[9] احادیث پر امام مسلم اور امام بخاری رحمہما اللہ تعالےٰ متفق ہیں اور چار[4] احادیث ایسی ہیں جنکے بارے میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں اور نو[9] احادیث جو حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر فرمائی ہیں ان میں امام مسلم منفرد ہیں [5] واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] الجزء الرابع من اسد الغابة ص۱۳۸۔ [2] تہذیب التہذیب (ج ۸ ص۱۲۶) [3] اسد الغابة (ج ۴ ص۱۳۸، ص۵۰۶)
وسیر اعلام النبلاء (ج ۲ ص۵۰۸) وطبقات ابن سعد وغیرھم۔ [4] کذا فی سیر اعلام النبلاء (ج ۲
[5] سیر اعلام النبلاء (ج ۲ ص۵۱۰ وص۵۱۱)۔

واحد المماری والے

پاکستان میں پہلی بار اسٹیل کی الماریاں تول کر پیش کرنے کے بانی

ہم اپنے رب کے انتہائی شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمارے ماہانہ اقساط کے پروگرام کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ ہم اپنے عوام کے بھی تہہ دل سے مشکور ہیں کہ انہوں نے ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ عوام کے اعتماد اور تعاون کی بدولت ہم نے اپنی ایجنسیاں قائم کرنے کے پروگرام کو عملی جامہ پہنایا اور ہمیں یہ سعادت حاصل ہوئی کہ ہم عوام کی ضروریات زندگی کی تمام چیزیں آسان اقساط پر ان کے گھروں تک پہنچا کر دیں۔

آپ کی خدمت ہمارا نصب العین ہے

ہم دلی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے ماہانہ اقساط کے پروگراموں کی ممبر شپ جاری ہے آپ بھی ہمارے ماہانہ اقساط کے پروگراموں میں ممبر بن کر اپنی پسند کی مندرجہ ذیل اشیاء حاصل کر سکتے ہیں۔

سیونگ مشین - الیکٹرک فین یا چھوٹی الماری -/50 روپے ماہانہ

بڑی الماری، واشنگ مشین یا مختلف فرنیچر کے سیٹ -/100 روپے ماہانہ

ریفریجریٹر ...... -/300 روپے ماہانہ

اس کے علاوہ ہمارے دیگر پروگرام

موٹر سائیکل ہنڈا 70-CD = 400 روپے ماہانہ

پاک سوزوکی کار 800.C.C کا ، 1500 روپے ماہانہ

نقد یا نقد کے برابر اقساط کی ادائیگی پر ہماری کمپنی آپ کی پسند کی اشیاء کراچی میں آپ کے گھر تک پہنچا کر دیتی ہے۔ آیئے آپ بھی ہمارے اقساط کے ماہانہ پروگراموں کی ممبر شپ حاصل کر کے ہمارے پروگراموں میں اپنی شرکت کو یقینی بنایئے۔

نوٹ:۔ ہمارے کار کے نئے گروپ اور ہنڈا 70 - CD موٹر سائیکل کی ممبر شپ جاری ہے آیئے اور جلد از جلد ممبر بن کر ممبر شپ حاصل کیجئے اور ہمارے پروگرام میں اپنی شرکت کو یقینی بنایئے۔

آسیہ ٹریڈرز ۲/۱۴ اے بلاک نمبر ۳ گراؤنڈ فلور الکرم اسکوائر فیڈرل کیپٹل ایریا۔ کراچی

ناگن چورنگی۔ این کے ٹریڈرز، دکان نمبر ۳۱/۱ سی۔ ایل ۱۳ اعظم پلازہ نارتھ۔ کراچی

لیاقت مارکیٹ ملیر ایجنسی ہولڈر سہیل حیدر ۱/۱۱ ایچ نزد لیاقت مارکیٹ ملیر۔ کراچی

کورنگی شیراز اینڈ برادرز سیکٹر ۴ اے ۲۵۔ زمان ٹاؤن کورنگی نمبر ۴ کراچی

ایجنسی ہولڈر، اصغر بستی محمود آباد ۳/۴ سلیمان سینٹر۔ کراچی

واحد رحمٰن انڈسٹریز پرائیویٹ لمیٹڈ، ہیڈ آفس ۔306۔ یونی شاپنگ سینٹر تیسری منزل شاہراہ عراق بالمقابل محبوب کلاتھ مارکیٹ صدر کراچی۔ فون نمبر 526705 - 527537

شوروم :۔ بی 31/1۔ بلاک نمبر 3۔ الکرم اسکوائر لیاقت آباد کراچی 19۔

اوجز المسالک

موطاؔ امام مالک کی عظیم شرح عربی ٹائپ کے دلکش لباس میں

تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ

ناشر: ادارۂ تالیفات اشرفیہ بیرون بڑا گیٹ۔ ملتان۔ سائز: ۲۰×۳۰/۸۔ عمدہ دبیز کاغذ پر ٹائپ کی خوبصورت عکسی طباعت۔ مکمل ۱۵ جلدیں۔ ہر جلد مضبوط، دلکش اور ڈائی دار۔ مکمل سیٹ کا ہدیہ بارہ سو روپے مدارس عربیہ کے لئے خصوصی رعایت۔

موطا امام مالکؒ حدیث کی مشہور و معروف کتاب ہے جو دوسری صدی ہجری میں نہ صرف یہ کہ حدیث کے ابتدائی مدون ذخیروں میں امتیازی مقام رکھتی ہے بلکہ وہ ساتھ ساتھ اہل مدینہ کے فقہ کا بھی عظیم الشان ماخذ ہے۔ جب تک "صحیح بخاری" منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ اس وقت تک اس کو "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" کا مرتبہ حاصل تھا۔

اس کتاب کی بیشمار شروح لکھی گئی ہیں جن میں مختصر اور مفصل ہر طرح کی شروح موجود ہیں۔ لیکن آخر زمانے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہٗ نے "اوجز المسالک" کے نام سے اس کتاب کی جو شرح لکھی ہے وہ اپنی جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت مولانا نے اس شرح میں احادیث کی تشریح و تفسیر کے ساتھ اس کے متعلق جملہ مباحث کا استقصا فرمایا ہے، احکام سے متعلق احادیث کے ساتھ تمام ائمہ مجتہدین کے فقہی مذاہب ان کے دلائل اور ترجیح راجح کا اہتمام فرمایا ہے۔

"اوجز المسالک" برصغیر پاک وہند کے علمی حلقوں میں اس قدر مقبول عام شرح ہے کہ اس کی تعریف وتوصیف اور اس کے علمی وتحقیقی خصائص علماء کے سامنے بیان کرنے کی حاجت نہیں، جس شخص کو بھی علم حدیث سے ادنیٰ مس ہو وہ اس کے خصائص ومزایا سے بخوبی واقف ہے۔

یہ کتاب پہلی بار سہارنپور سے لیتھو پر شائع ہوئی تھی، اس کی کتابت وطباعت معیاری نہیں تھی۔ خاص طور سے شرح کا حصہ بہت باریک اردو رسم الخط میں لکھا ہوا تھا جس سے استفادے میں کافی دشواری ہوتی تھی۔ اور خاص طور پر عرب ممالک ہر علماء اس انداز کی طباعت سے مانوس نہ ہونے کی بنا پر اس سے استفادہ نہ کر سکتے تھے۔

بعد میں یہ کتاب عربی ٹائپ پر بیروت سے طبع ہوئی جو ان نقائص سے خالی تھی۔ اس کے شروع میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرہٗ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہم العالی نے دو قیمتی مقدمات تحریر فرمائے جو موطا امام مالک اور اوجز المسالک کی خصوصیات اور اس کے مؤلف قدس سرہٗ کے بارے میں گرانقدر معلومات پر مشتمل ہیں۔

کچھ عرصے سے "اوجز المسالک" کے نسخے نایاب جیسے ہو گئے تھے، بالخصوص یہ ٹائپ والا نسخہ پاکستان اور ہندوستان میں اول تو ملتا نہیں تھا، اور اگر باہر سے منگوایا جائے تو گراں بہت پڑتا تھا۔ ماشاء اللہ ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان کے ناظم مولانا محمد اسحٰق صاحب نے اس ٹائپ والے نسخے کا فوٹو لے کر اسے پاکستان میں شائع کر دیا ہے ان کا یہ اقدام بلاشبہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس نے اہل علم کی پیاس بجھانے کا اہتمام کیا ہے۔ کتاب کے علمی مضامین کی تو کوئی قیمت ہو ہی نہیں سکتی، لیکن طباعت، کاغذ اور جلد بندی کے اس معیار کے ساتھ ۱۵ جلدوں پر مشتمل سیٹ کا عام ہدیہ بارہ سو روپیہ یقیناً مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ ناشر کی اس کوشش کو قبول عام بخشیں اور اہل علم کو اس کی پذیرائی کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ (م۔ ت۔ ع)

پاک شاہین
کنٹینر سروس لمیٹڈ
پلاٹ نمبر ۲۳/ ۲۷ ٹمبر پونڈ، کیماڑی، کراچی
الحمدللہ
پاکستان میں یہ پہلا ٹرمینل جو نجی کاروباری شعبے میں قائم ہوا ہے۔
ملک کی درآمد و برآمدات نہایت عمدہ کارکردگی کے ساتھ بذریعہ کنٹینر جل
نقل ہوتے ہیں، جہاز راں کمپنیاں اور تاجر ہماری خدمات حاصل کریں۔
کسٹم اور کراچی پورٹ ٹرسٹ کی تمام سہولتیں حاصل ہیں۔
تار کا پتہ "شاہین" کراچی
ٹیلیکس: ۲۷۱۹
فون:
۲۷۱۹۵۳ — ۲۷۱۸۴۰
۲۷۱۸۴۴ — ۲۷۱۳۵۴